بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طیبہ احمد چوہدری نے یہ ناول (تیری جوگن) صرف اور صرف نیو ایرا میگزین (New Era Magazine) کیلئے لکھا ہے۔اس ناول (تیری جوگن) کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام صرف اور صرف نیو ایرا میگزین (New Era Magazine) کے نام محفوظ کیے جاتے ہیں۔ لہذا کسی بھی ادارے، ڈائجسٹ، سوشل میڈیا، ویب سائٹ یا کوئی بھی فرد بمعہ مصنف کو اس کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں شائع کرنے کی سخت ممانعت ہے۔ عمل درآمد نہ کرنے کی صورت میں قانونی کاروائی کی جائے گی۔

شکریہ

ادارہ: نیو ایرا میگزین

****

زندگی رکتی نہیں کبھی کسی اک پہ
یہ تسلی میں اب اکثر دل کو دے دیتی ہوں

اس نے بیک مرر سے اسے تمسخر اڑاتی نگاہوں سے دیکھا اور نفی میں سر جھٹک گاڑی سٹارٹ کی اور اپنے پیچھے اپنی گاڑی کا دھواں چھوڑ گیا۔

وہ وہاں ہی بیٹھی کتنے ہی پل رفتہ رفتہ دور جاتی گاڑی کو دیکھ رہی تھی۔

جب گاڑی آنکھوں سے اوجھل ہوئی تو اسے چاروں اطراف پھیلے گہرے اندھیرے کا احساس ہوا۔ گھٹنوں میں سر دے خود کو اور اپنے ننگے سر کو چھپا گئی۔

اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ وہ شخص اسے ذلیل وخوار کر کے چھوڑ جائے گا۔

اسے یقین تھا محبت پہ....

اپنی محبت پہ....

وہ مانتی تھی کہ اللہ سچی کھری محبتوں کو منزلیں ضرور دیتا ہے مگر کہیں نہ کہیں اس کی محبت میں بھی کمی رہ گئی تھی۔

جانے والے نے اس پہ ایسے الزامات لگائے تھے کہ وہ اگر کوئی عام چھوٹے دل والی لڑکی ہوتی تو خود کو ختم کر دیتی مگر اس رات کی سیاہی میں وہ بھی ایک خطرناک جگہ پہ وہ خود کو ختم کرتی یا نہ کرتی ایک برابر تھا۔

"جب بنا محنت کے انسان گردن اکڑا لے کہ جو اس نے سچے دل سے چاہا ہے وہ اسے ملے گا۔ پھر وہ نہیں ملتا..... کیونکہ انسان خود پہ یقین کرتا ہے مگر محنت نہیں کرتا، اللہ سے اپنی قیمتی شے نہیں مانگتا۔

پھر وہ کامیاب کیسے ہو جاتا ہے؟ نہیں ہو سکتا۔"

وہ اٹھی تو اسے محسوس ہوا اس کے پیروں میں بھی وہی کانٹے چبھے ہیں جو ہاتھوں کو زخمی کر گئے تھے۔

وہ پھر سے وہاں ہی بے دم ہو کر بیٹھ گئی۔

"شاید میں نے بھی یہ ہی کیا۔

کاش میں اک مرتبہ اسے اس ڈر سے اللہ سے مانگتی کہ کبھی وہ یوں بیچ راستے مجھے چھوڑ کر نہ جائے۔

مگر میں نے اسے مانگا کب تھا۔ مجھے اپنی قسمت پہ ہی رشک تھا کہ میں نے اس شخص سے محبت کی۔"

وہ سوچتے ہوئے اٹھنے ہی لگی تھی کہ ٹھیک اسی وقت پیچھے سے ایک گاڑی کی روشنی اس کے قریب آتی گئی۔

درد کی ایک لہر سر میں دوڑ کر کمر سے ہوتی پورے وجود کو کپکپانے لگی۔

چکراتے سر کو بمشکل تھاما تھا اور لڑکھڑا کر اٹھی مگر توازن برقرار نہ رکھ سکی اور رفتہ رفتہ قریب آتی اپنی موت کو دیکھتی۔

منڈیر سے پھسل کر سڑک سے نیچے فصلوں میں زمین جا گری۔

"اللہ مجھے بچا لے۔"

اس نے تاروں سے سجے آسمان کو دیکھتے ہوئے دعا کی اور ہوش کی دنیا سے بیگانی ہو کر بے ہوشی کی دنیا میں چلی گئی۔

****

".Mr.khan.....! excuse me please"

وہ اونچی عمارت کی لفٹ سے نکل کر تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔

بوٹوں کی چھاپ فلور پہ آواز پیدا کر رہی تھی۔

اس کا عکس شیشے کی دیواروں میں نظر آ رہا تھا۔

ایک ہاتھ میں لیپ ٹاپ بیگ تھامے وہ پر اعتماد انداز میں قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا۔

دائیں ہاتھ کی انگلی سے پیشانی مسلتے ہوئے وہ لب کچل کر ایک نظر ریسٹ واچ پہ ڈالتے ہوئے پھر سے سیدھا چلنے لگا۔

جب پیچھے سے نسوانی آواز نے اسے پکارا۔

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی رک گیا۔

ایک نظر اپنی کلائی پہ باندھی قیمتی ریسٹ واچ پہ ڈالی اور دو قدم اس لڑکی کی جانب بڑھا جو سر تا پا مغربی تھی۔

آسٹریلیا میں مغربی پہناوے والی ہی ہوں گی۔

.Mr.khan! I work in this hotel"

If you have remaber that I was brang the flowers

"?for you

وہ اپنے مخصوص انداز میں تیز تیز بول رہی تھی۔

اس کی ستائشی نگاہیں اس شخص کی چمکتی پیشانی سے پھسل کر عنابی ہونٹوں پر رک چکی تھیں۔

So what? I'm getting late.Tell me what's problem "

"?with you

وہ عاجزانہ انداز میں کہتے ہوئے وہاں سے بھاگ جانے کو پر تول رہا تھا۔

"Mr.khan I love you so much. please stay".....

اس سے پہلے کہ وہ کچھ مزید کہتی وہ اسے غصے سے گھورتے ہوئے ایڑھیوں پہ پلٹ گیا۔

".Mr.khan please listen to me"

وہ پھر سے اس کے پیچھے بھاگی تھی۔

".Please go back"

وہ تیز قدم اٹھاتا غصے سے لال ہوتا بولا۔

".But why? I'm always available for you"

وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑے التجاء کر رہی تھی۔

اس شخص کے جبڑے بھینچے جا چکے تھے۔

اسے ہمیشہ سے ہی ایسی باتوں سے ہی خار کھاتا تھا، لڑکیوں کے یوں گھٹنے ٹیک دینے سے.....

Listen to me carefully. I'm married and I love my "
".wife so much

وہ ایک ایک لفظ چبا کر ادا کرتے ہوئے ایڑھیوں پہ پلٹا اور وہاں سے چلا گیا تھا۔

وہ کئی پل وہاں کھڑی رہ گئی۔

"عجیب پاگل عوام ہے یہاں کی جو پاکستانیوں کو پاگل سمجھے بیٹھی اونہہ۔"

وہ حقارت سے سر کو نفی میں جنبش دیتا گاڑی کی جانب بڑھ رہا تھا۔

"مسٹر ایڈم...! تمہارا بھیجا گیا موہرا میں نے مار گرایا ہے۔

ایسے ہتھ کنڈوں سے تم مجھے گمراہ نہیں کر سکتے۔"

گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے کوئی نمبر ڈائل کیا اور اپنی کہہ کر کال۔ کاٹ کے فون ڈیش بورڈ پہ ڈال دیا۔

اس نے آج اعتراف کر ہی لیا تھا کہ وہ شادی شدہ ہے مگر یہ اعتراف صرف دینا کے لیے ہی تھا۔

وہ جو سات سمندر پار بیٹھی تھی اس سے کوئی پوچھتا تو یہ ہی کہتی کہ وہ شخص صرف اس کا شوہر ہی تو ہے۔

نہ ہمدرد، نہ ہمسفر کچھ بھی تو نہیں تھا۔

اس نے کبھی اس کو کچھ سمجھا ہی نہیں تھا۔

وہ اسے مخاطب بھی کرتا تو اے لڑکی، اوئے، اے.....بس وہ یہ ہی بن کر رہ گئی تھی۔

کبھی بھی وہ دن اب تک.....اب تک نہیں آیا تھا جب خان نے اس نازک سی لڑکی کو محبت سے پکارا ابھی ہو یا آنکھ بھر کے بھی دیکھا ہو۔

"بیگم صاحبہ! بڑی بیگم بلا رہی ہیں آپ کو۔"

وہ جو بیڈ کی پشت سے سر ٹکائے دیوار پہ لٹکی اس دشمن جاں کی تصویر دیکھ رہی تھی ملازمہ کے پیغام پہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

چپل میں پاؤں گھساتے ہوئے اس نے قدم باہر کی جانب بڑھائے۔

"کیا انہوں نے مجھے کبھی نہیں چاہا؟ کیا میں بس ان کے سر پہ مسلط کر دی گئی تھی۔ مگر انہوں نے ہی تو مجھے خود پہ مسلط کیا تھا۔"

سیڑھوں کے گرد لگی ریلنگ پہ ہاتھ رکھے وہ نیچے اترتی اس محل کا جائزہ لے رہی تھی جس میں سب کچھ ہی تو تھا بس اس شخص کی کمی تھی۔

اتنی خوبصورت اونچی عمارت میں وہ کتنی بار ہی ڈر گئی تھی۔

اکیلی تنہا.....

"یہاں شوٹنگ چل رہی ہے کیا جو تم یوں ٹہل ٹہل کر آ رہی ہو بی بی؟"

بڑی بیگم کی گرج دار آواز پہ وہ بری طرح ڈری تھی اگر وقت پہ ریلنگ پہ مضبوطی نہ بڑھاتی تو وہ آج گر کے مر جاتی۔

اور جب وہ لوٹتا تو کیا کرتا؟

"دھیان سے چلا کرو۔اور ہاں خان پتر واپس آ رہا ہے جلدی سے پورے گھر کی صفائی اپنی نگرانی میں کرواؤاور خود کھانا بنانا۔"

وہ حکم صادر کر کے وہاں سے چلی گئیں۔

"ان کا تو روز کا ڈرامہ ہے آسٹریلیا تو ان کے لیے یوں ہے جیسے دوسرے وطن نہیں بلکہ دوسری گلی میں جانا ہو۔اونہہ....."

وہ جل بھن کر سوچتی ہوئی پیر پٹختی کچن کی جانب بڑھ گئی۔

وہ نہ ہوتا تو بھی بے قراری رہتی، جو ہوتا تو اس کو تاؤ چڑھا رہتا۔

مگر سامنے والے کو کون سا کوئی اثر ہوتا تھا وہ تو اسے کچھ بھی نہیں سمجھتا تھا؟

***

رات کا اندھرا پھیل چکا تھا۔

سنگ مرمر کے سفید صحن میں ایک لمبی کیاری میں لگے بہت سارے درختوں میں سے ایک دو انار کے درخت جو انار کے کم ٹیوب لائٹس کے درخت زیادہ لگ رہے تھے۔

کیونکہ ان دونوں درختوں کو لائٹس سے سجایا رکھا تھا۔

وہ صحن میں ننگے پیر سنگ مرمر کے فرش پہ رکھے کرسی سے اتری اور ادھر ادھر ٹہلنے لگی۔

سمجھنا مشکل تھا کہ اس کے گلابی پاؤں زیادہ خوبصورت تھے یا سفید چمکتا سنگ مرمر کا فرش۔

منہ میں پینسل دبا کے بے دلی سے وہ کچھ یاد کرتے ہوئے مسکرائی تو ہونٹ کے نیچے کا تل بھی مسکرایا چلنے کے ساتھ ساتھ اپنے سیلکی شانوں تک آتے بالوں کو پیچھے کرتی اور کتاب کو دیکھتی اور پھر سر پہ تھپکی رسید کرتی جیسے کچھ سمجھ نہ آ رہی ہو یا دماغ کہیں اور جگہ الجھا ہو۔

کتاب کی باتیں پلے نہیں پڑ رہی تھیں۔

"ستایا ناس۔

یار کچھ یاد کیوں نہیں ہو رہا۔

ان بچوں نے تو مجھے پاگل کر دیا ہے ایک مہینے میں۔

کبھی سوچتی ہوں سٹیڈی کر لوں کبھی سوچتی ہوں ٹیسٹ بنالوں اوپر سے وہ کھڑوس پرنسپل پرائمری حصے کے ٹیسٹ بھی مجھ سے بنوا رہی ہے۔

میں تو ہو گئی برباد۔ کون سا وقت تھا جب میں نے ٹیچنگ کے متعلق سوچا۔"

سحر نے کتابیں میز پر پٹخ دیں۔

پہلے خود کو کوسا اور پھر شانے آچکا کر گنگناتی دائیں طرف کیچن میں جا کر لیموں پانی بنانے لگی۔

وہ زیادہ دیر تک ٹینشن لینے کے حق میں نہیں تھی۔

تبھی باہر صحن میں کچھ گرا تو وہ بری طرح چونک کر پلٹی۔

باہر گئی تو فرش پہ چھوٹا سا پتھر تھا۔اس نے مڑ کے قد آدم دیوار کی طرف دیکھا اس کے اندازے کے عین مطابق وہ دوسری طرف کھڑا اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ سحر خان نے کرسی اٹھائی چوروں کی طرح ادھر ادھر دیکھا اور دیوار کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

کرسی کو رکھتے ہوئے وہ دیوار کا سہارا لے کر کرسی پہ چڑھی ادھر ادھر دیکھا اور پھر اسے ایک زبردست گھوری نوازی۔

"خود تو مروگے مجھے بھی مرواؤ گے جلدی بتاؤ کیا کام ہے۔

بھیا آ گئے تو یہ سوچے بغیر کہ تم میرے اسٹوڈنٹ ہو تمہاری ہڈیوں کو الگ اور گوشت کو الگ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں منتقل کر دے گا۔

ویسے کبھی کبھی مجھے شرم آتی ہے اپنے ہم عمر کو اپنا اسٹوڈنٹ کہتے ہوئے ہی ہی ہی۔" وہ سرگوشی کرتے ہوئے بولی۔

"سحر میم! جی میں آپ کے لئے گول گپے لایا ہوں۔ اسکول میں آپ کا دل کر رہا تھا۔" ہاتھ میں پکڑا شاپر اس کی جانب بڑھایا گیا۔

جب اس نے شاپر تھاما تو اس نے شاپر پہ پکڑ مضبوط کی۔

"اور ہاں.... یاد رہے میں آپ سے ایک سال چھوٹا ہوں۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"چھوڑو اور تم جاؤ۔" سحر نے شاپر پکڑ لیا اور اسے انگلی سے جانے کا اشارہ کیا۔

"میم! وہ میں پوچھنا چاہ رہا تھا کہ آپ نے دسویں کے ٹیسٹ تیار کر لئے تو....."

وہ نیچلے لب کو دانتوں تلے دبائے گویا ہوا وہ جو گول گپوں کا جائزہ لے رہی تھی ایک آبرو کو آچکا کر اسے تقریباً گھورا ہی تھا۔

"تو؟"

"تو جلدی سے بتادیں۔ کزن ہونے کا کچھ تو فرض نبھا سکتی ہیں نا؟ اور آپ کا کزن محترم ہے بھی اکلوتا۔

یاد ہے بچپن میں آپ...." وہ دونوں ہاتھوں کو دیوار پہ رکھے دلکش مسکراہٹ لیے اسے ایمپریس کرنے کے چکروں میں تھا کہ سحر نے اس کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی۔

"تمیز سے بات کرو شہروز خان!

تو تم یہ گول گپے اس لیے لائے ہو کہ میں تمہیں ٹیسٹ بتادوں گی؟

نو نیور۔ چل اب دفع ہو جا۔"

سحر کرسی سے اتر کے ایک طرف چلی گئی۔ "خود میں تو جیسے تمیز کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔ بات کرتی ہے او نہہ۔"

شہروز منہ بناتا دیوار کو کک مارتا چلا گیا۔

"کیا ہوا گول گپے مہنگے پڑے ہیں؟

چل نکال ہمارے پیسے۔"

وہ سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں پہنچا تو وہاں اس کے فرینڈز اس کا انتظار کر رہے تھے۔

"ارے اچھے دوست ہو ایک تو یہ ٹیچر بہت نک چڑھی ہے۔" شہروز کتاب میز پہ پٹخ کر بولا۔

"تمہاری تو کزن ہے نا...." ایک دوست یوں بولا جیسے اسے جتا رہا ہو کہ وہ خالی ہاتھ لوٹ آیا ہے۔

"بس نام کی، اگر کزن ہوتی تو میں اس کا کلاس فیلو ہوتا؟ اس کے سامنے ایک اسٹوڈنٹ کی طرح نہ بیٹھتا۔"

"میں بتا رہا ہوں تمہیں شہروز خان! وہ جان بوجھ کر تمہیں نیچا دکھانے کے لیے ہمارے اسکول میں آئی ہے ٹیچنگ کرنے۔ وگرنہ مظفر گڑھ میں اسکولوں کی کمی تھوڑی ہے۔"

وقاص نے لقمہ دیا تو اس نے گردن گھما کر اسے گھورا۔

"مجھے بتانے کی ضرورت نہیں ہے اچھی طرح واقف ہوں اس کی اور اس کے گھر والوں کی فطرت سے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بیڈ کی جانب بڑھ گیا

کچھ دیر دل جلانے کے بعد وہ پڑھنے لگا تھا۔

کل میم سحر خان بائیولوجی کا ٹیسٹ لینے والی تھیں۔

اور ان کی سزائیں تو خدا کی پناہ.....

شہروز اپنے والدین کا اکلوتا شریف اور سلجھا ہوا لڑکا تھا ہاں تھوڑا بہت، ضدی، بھی تھا۔ باپ کا اپنا اسکول تھا پر پھر بھی شہروز کو اپنے اسکول میں نہیں بلکہ کسی دوسرے اسکول میں داخل کروایا، وجہ یہ تھی کہ ان کا ماننا تھا بچے والدین کے اسکول میں پڑھتے نہیں ہیں اکڑ میں رہتے ہیں کہ ہمارا اپنا اسکول ہے۔

شہروز کی ماں اور سحر کی ماں دونوں بہنیں ہونے کے ساتھ ساتھ دیورانیاں جیٹھانیاں بھی تھیں۔

سحر کا بڑا بھائی گریجویٹ کر چکا تھا اور آج کل اپنا بزنس سیٹ کرنے کے چکروں میں تھا۔

ساتھ ساتھ ایک آفیس میں کام بھی کر رہا تھا۔

تیس ہزار تنخواہ تھی۔

بیس سالہ سحر بی اے کی اسٹوڈنٹ تھی، اور اپنے شوق کے مطابق ٹیچنگ بھی ساتھ ساتھ لے کر چل رہی تھی۔

بد قسمتی سے شہروز کی کلاس اس کے پاس تھی۔یعنی دسویں کلاس۔

شہروز بچپن میں کچھ بیمار رہتا تھا جس وجہ سے وہ سحر سے پڑھائی میں پیچھے رہ گیا۔

جب وہ کلاس میں آیا تو سحر نے اس کو پیچھے چھوڑنے کی خاطر اچھی کارکردگی دکھائی۔

جبکہ شہروز اس بات سے انجان تھا کہ وہ بہت پیچھے رہ گیا ہے۔

بچپن میں جب کوئی چیز شہروز کے لیے لی جاتی تو سحر جب تک وہ کھلونا لے نہ لیتی سکون سے نہ بیٹھتی۔

اسے شہروز سے آگے بڑھنے کی خواہش تھی اور یہ خواہش کوثر بیگم نے ہی اس میں پیدا کی تھی۔

***

"شہروز!

ارے او خان! ٹیسٹ آتا ہے کیا؟"

فیضا اور وقاص بیک وقت بولے تھے۔

"ہاں آتا ہے۔" شہروز نے سامنے سر براہی کرسی پر بیٹھی سحر کو دیکھ کر دھیمی آواز میں سرگوشی کی۔

"ہمیں بھی بتاؤ یار، میم سحر کتنی سختی سے پیپرز بناتی ہیں۔ جو کل یاد کیا تھا اب بھول گیا۔" فیضا نے پیپر کو الٹ پلٹ کر کے رکھ دیا۔

"چلو لکھو۔" شہروز نے کرسی پہ جھک کر منہ نیچے کر کے گردن گھما فیضا کو دیکھا تاکہ میم سحر نہ دیکھ لے۔

ان دونوں نے پین سنبھال کر اثبات میں سر ہلایا۔

"نام پکاریں کسی کا اور یاد آئیں ہم تمہیں
یہ عالمِ خوش فہمی باقی ہے بس تھوڑی سی"

اس کے شعر پڑھنے پہ فیضا اور وقاص نے منہ پھاڑے بے یقینی اسے دیکھا اور ڈیکس پہ سر پٹخ لیا۔

"بھلا بائیولوجی کے پیپر میں کون بے وقوف شعر لکھتا ہے۔"

فیضا نے رونے کے سے انداز میں کہا تو وہ ہنس دیا۔

"فیضا، وقاص، شہروز سٹینڈاپ۔" انہیں تب ہوش آیا جب سحر سر پہ پہنچ گئی۔

"سوری میم! آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔" فیضا نے ڈرتے ہوئے نظریں جھکائے اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی التجاء کی۔

جب کہ وقاص اور شہروز چپ چاپ کھڑے ہو گئے۔

"شیٹ اپ۔ پورا پریڈ کھڑے رہو گے تم تینوں۔ ہر وقت شرارتیں کرتے رہتے ہو حد ہے۔ شرم کیا کرو دسویں کلاس کے اسٹوڈنٹس ہو اور حرکتیں بچوں والی کرتے ہو۔ کیا اثر پڑے گا چھوٹے بچوں پہ جب بڑے، سنیئر ایسی حرکتیں کریں گے۔" سحر نے ان تینوں کے ٹیسٹ کھینچے اور واپس کرسی پر جا بیٹھی۔

"کھڑوس۔" فیضا نے منہ سکوڑا۔

سحر اپنی کرسی پر بیٹھی ساتھ والی لڑکی کا ٹیسٹ چیک کرنے لگی تھی

"میم! میں ایک جوک سناؤں۔"

حسبِ عادت وقاص کی زبان پر کھجلی ہونے لگی۔

"کل نہ میں گرلز کالج کے سامنے سے گزر رہا تھا تو..... ہوا یہ کہ وہاں سے چڑیلوں کی آوازیں سنائی دیں تو میں قسم سے اتنا بری طرح ڈرا کہ سامنے سے آتی کار میں بائیک ٹھاوجا۔ آپ بھی تو اس چڑیل خانے میں جاتی ہیں کیا آپ کی کوئی چڑیل دوست بنی ہے؟"

وقاص نے سٹائل سے سٹوری سنائی۔

"شیٹ اپ وقاص! نون سینس۔ تمیز ہی نہیں ہے بگڑی ہوئی عوام۔ دفع ہو جاؤ میری کلاس سے۔"

سحر نے اس کے ٹیسٹ کو کراس کیا اور اس کے منہ پہ مارا۔

"دو مہینے رہتے ہیں تم لوگوں کے پیپرز میں اور یہ..... یہ حال ہے۔"

وہ واپس کرسی پہ جا بیٹھی تھی۔

وقاص نے خوف سے اس کی جانب دیکھا۔

"شعیب بیٹا! ذرا سر جاوید کو بلا کر لاؤ۔"

یہ ہی ایک فقرہ پوری کلاس کو سلا گیا۔

شعیب ان تینوں کو دیکھ کر ہنسا اور پھر باہر چلا گیا۔

"سحر خان کا چمچہ۔"

شہروز نے مٹھیاں بھینچے منہ ہی منہ میں اس لڑکے کو خوب صلواتیں پیش کیں۔

کچھ دیر بعد سر جاوید جو ریاضی کے استاد تھے وہاں آئے۔

ساری کلاس نے سلام کیا وہ ان کے سلام کا جواب دیتے ہوئے سحر کی جانب متوجہ ہوئے۔

"سر! ایکچلی ان تینوں کی بہت زیادہ شکایات درج ہیں۔

خاص طور پر وقاص کی۔

یہ بلکل بھی نہیں پڑھتے ہر وقت کسی نا کسی بچے کو تنگ کرتے رہتے ہیں۔

ٹیسٹ کا رزلٹ بھی یہ آپ کے سامنے ہے۔

تو اب آپ بتائیں میں کیا کروں۔"

ان تینوں پہ ایک نظر ڈال کر اس نے کہا تھا شہروز غصہ ضبط کرتے ہوئے سرخ پڑ رہا تھا۔

"پورا ایک سال آپ کے سامنے ہی ہے جس طرح میں نے ان کو پڑھایا اور رزلٹ بھی آپ کے سامنے ہے۔"

"یہ لیں اور جو زبان یہ سمجھتے ہیں وہ سمجھائیں انہیں۔ یہ دونوں لڑکے تو بلکل بھی نہیں پڑھتے۔"

انہوں نے ہاتھ میں تھامی ہوئی چھڑی اس کی جانب بڑھائی اور پلٹ گئے۔

"ایم سوری میم! آئندہ میں پڑھ کر آؤں گا۔"

وقاص کی جان پہ بن آئی تھی۔

"ہاتھ سامنے کرو وقاص!"

اس نے ایک ایک لفظ پہ زور دیتے ہوئے کہا۔

"پورا سال میں تمہارے یہ لفظ سن سن کر تھک چکی ہوں۔ اب دو مہینے رہتے ہیں اور میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتی۔"

اس نے بھنویں اچکاتے ہوئے کہا تھا۔

اس نے ڈرتے ہوئے ہاتھ اس کے سامنے کیا تو

سحر نے ماتھے پہ بل ڈال کر زور سے ڈنڈا وقاص کے ہاتھ پہ دے مارا ادھر فیضا اور شہروز کی جان پہ بنی تھی۔

"شہروز! میم غصے میں لگ رہی ہیں۔"

اس نے اس کے کان میں گھس کے کہا۔

"بوائے فرینڈ نے بریک اپ کر دیا ہو گا۔اس کا غصہ ہم پہ نکال رہی ہیں۔""

فیضا کی بات پہ وہ ہنس دیا جبکہ سحر سن کر حیران ہی تو رہ گئی تھی۔

وہ ان دونوں کی طرف پلٹی چھڑی ڈیکس پہ رکھی اور سینے پہ ہاتھ باندھے وہ ان دونوں تک چلتے ہوئے آئی۔

"بہت اچھے....."

سحر نے سر کو ضبط سے خم دے کر کہا۔

"بریک اپ، بوائے فرینڈ کیا ہوتا ہے یہ تم دونوں کو پتا ہے پر بائیو کے آسان سے سوال یاد نہیں ہوتے ڈوب مرو۔"

آج وہ غصے میں تھی جب ایک ٹیچر سال بھر بنا ایک بھی چھٹی اور ریسٹ کے اپنے شاگردوں کو پڑھاتا ہے اور پھر رزلٹ منفی دیکھتا ہے تو اس کو غصہ ہی آئے گا ہاسا تو ہر گز نہیں آنا۔

"شیم اون یو شہروز خان!" سحر نے شہروز کے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر افسردگی سے کہا۔

"میم یہ سب یاد کرنے کی چیزیں تھوڑی ہیں آج کا لیٹس فیشن ہے بچے بچے کو پتا ہے آج کل بغیر بوائے فرینڈ گرل فرینڈز کے کوئی زندہ نہیں ہے۔اور آپ کو تو کتنے رانگ نمبروں سے کالز آتی ہیں۔

ہیں نہ شہروز؟"

اس کی بات پہ شہروز نے ایک نظر اس پہ اور دوسری ساکت حیران کھڑی سحر کو دیکھا۔

سحر کا رنگ اڑ چکا تھا۔ سختی سے لب بھینچے وہ اپنی تذلیل برداشت کرتی اور شہروز کو گھورتی ضبط کی انتہا پر تھی۔

"گیٹ آؤٹ۔

دفع ہو جاؤ۔اور میری کلاس میں دوبارہ آنے کی کوشش مت کرنا۔خاص طور پر تم شہروز خان! مجھے اپنی شکل مت دکھانا۔"سحر نے پیپرز فیضا کے منہ پہ مارے اور کرسی پہ جا بیٹھی۔

پوری کلاس خاموش تھی۔

"شعیب! پ پانی پلاؤ مجھے۔"

کرسی کے بازوؤں کو زور سے تھامے وہ سرخ پڑ رہی تھی۔

شہروز اور فیضا نے ایک دوسرے کو دیکھا اور کلاس سے باہر جا کر خوب ہنسے۔

"میم کو غصہ کیوں دلواتی ہو یار!

اور تم نے رانگ نمبروں والی بات کیوں کی اب پتہ نہیں وہ میرا کون سا نقصان کریں گیں۔"

شہروز دیوار کے ساتھ ٹیک لگا گیا۔

"کچھ نہیں ہوتا۔ہم پہ رعب جھاڑتی ہے ذرا اسٹوڈنٹس کو بھی تو علم ہو وہ کس باغ کی مولی ہے۔"

وقاص نے اپنے ہاتھ کو سہلاتے ہوئے کہا۔

"شہروز! تم وجود سے پورے مین لگتے ہو۔"فیضا جو کب سے اس کا جائزہ لے رہی تھی چہک کر بولی۔

چوڑی چھاتی پہ اسکول کی سفید شرٹ کے اوپر بلیک کورٹ۔اور ٹائی کی نٹ ڈھیلی کی ہوئی تھی نیچے بلیک پینٹ۔ہاتھ پہ پٹے والی گھڑی اور بالوں کو فلوسٹائل بنا کر چھوڑا ہوا تھا۔

آستینوں کو کہنیوں تک فولڈ کرر کھا تھا

"انیس سال کا ہونے والا ہوں اور میں ان مردہ لڑکوں کی طرح تھوڑی ہوں۔

جو یوں نظر آتے ہیں جیسے بانس پہ کپڑے لٹکائے گئے ہوں۔

ہاہاہاہا۔"

وہ کالر جھاڑتے ہوئے شوخی بگاڑ رہا تھا۔

"مجھے تو تم سے محبت ہونے لگی ہے۔"

فیضا نے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا جی تو ہونے دو پھر۔"

وہ بھی اسی انداز میں بولا۔

پھر اپنے ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑوا لیے۔

"فلرٹ مت کرو۔"

وہ منہ بسورے گویا ہوئی۔

"تم بھی مت کرو۔محبت کے معنی معلوم نہیں اور بات کرتی ہے۔"

گھڑی پہ وقت دیکھتے ہوئے اس نے سر نفی میں جھٹکا۔

"تم دونوں کا آگے کیا پلان ہے؟"

وقاص جو منہ کھولے ان کی بچکانہ باتیں سن رہا تھا ہوش میں آتے ہی بولا۔

"میرا پلان تو یہ ہے کہ دو مہینے بعد میں کالج کا اسٹوڈنٹ بن جاؤں گا۔ پھر میں بڑے لڑکوں میں شامل ہو جاؤں گا۔" شہروز نے مسکرا کر وقاص کے شانے پہ مکا رسید کرتے ہوئے کہا۔

"واہ واہ..... مونچھیں اتری نہیں بننے جا رہے ہو مرد ویری گڈ بہت آگے جاؤ گے بیٹا۔"

فیضا نے ہاتھ اٹھا کر تالی بجائی۔

"اتری تو ہوئی ہیں چڑیل۔" اس نے اپنی چھوٹی چھوٹی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے۔ کہا اور پھر وہ دونوں ہنسنے لگے۔

"اور میڈم فیضا آپ پوری دادی لگتی ہیں ویسے میں تم سے بڑا ہوں بیٹا جی تو بھائی بولا کرو۔" شہروز نے کالر جھاڑا

تو اس نے اس کے شانے پہ تھپکی رسید کی۔

سحر اپنی کلاس لے کر جب باہر آئی تو ایک پل کو ان تینوں کو ہنستے قہقہے لگاتے دیکھ رک گئی۔

پھر سر جھٹک کر چلی ہی تھی کہ اس کی سماعتوں سے فیضا کی بات ٹکرائی

"ایک بات بتاؤ کہیں تمہاری ماما تمہارے لیے اس کھڑوس سحر کا ہاتھ تو نہیں مانگنے والی؟"

فیضا جو اسے دیکھ چکی تھی جان بوجھ کر شہروز سے مخاطب ہوئی۔

"کیا تمہارا دماغ خراب ہے کیا؟ موم مجھے کاٹ کر دریا میں بہا دیں گیں مگر اس کو کبھی نہیں....

اور تمہیں میرا ٹیسٹ اتنا خراب لگتا ہے کیا؟

اور تیسری بات وہ سنگل نہیں ہے۔"

وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے پیچھے کھڑی ہستی کا دل کتنے ٹکڑوں میں تقسیم ہونے کے ساتھ ساتھ غصہ بھی ساتویں آسمان کو پہنچا تھا۔

وہ اس کا کزن تھا۔

لڑائی 'دشمنی گھر کی تھی مگر وہ تو اسے کہیں بھی نہیں بخش رہا تھا۔

پیر پٹختی وہ وہاں سے ہٹ گئی تو فیضا کے ہونٹ اپنی کارکردگی پہ مسکرا اٹھے۔

****

"تم یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہو؟"

وہ جو خاموشی سے دور آسمان کو دیکھ رہی تھی۔

وہ ٹھیک اس کے پیچھے کھڑا بولا تو وہ صوفے سے گرنے لگی مگر مقابل اسے دونوں شانوں سے تھام لیا تھا پوری جان ہی شانوں میں آسمائی۔

"ک کچھ نہیں چ چاند دیکھ رہی تھی۔"

وہ گھبرا کر فون کو اپنے پلو کے تلے چھپاتے ہوئے بولی۔

وہ نگاہوں میں غصہ لیے ایک ایک قدم اس کی جانب بڑھ رہا تھا اور وہ پیچھے ہٹ رہی تھی۔

یوں ہی وہ دیوار سے جا لگی۔

"اے لڑکی! میرے ساتھ ہوشیاری مت کرنا ورنہ انجام کی زمہ دار تم خود ہو گی۔"

ایک ہاتھ دیوار پہ رکھے وہ اس پہ جھکا تھا۔

وہ نازک سی چڑیا ڈر کے مارے پھڑ پھڑانے لگی۔

"م میں نے کچھ نہیں کیا۔ پلیز...."

اس نے موبائل والے ہاتھ کو کمر کے پیچھے لے جا کر دوپٹہ لپیٹ لیا۔

"کیا ہے تمہارے ہاتھ میں؟"

نگاہیں ایسی تھیں کہ وہ کانپ گئی۔ لہجہ ایسا تھا کہ وہ سوچنے لگی اب یہ میرے ساتھ کیسا سلوک کرے گا؟

تیزی سے فون اس کی جانب بڑھاتے ہوئے وہ اس کی آغوش سے نکل کر بھاگنے ہی والی تھی کہ اس نے سختی سے اسے شانے سے دبوچ کر اپنے قریب تر کیا۔

"کہا تھا نا کہ....."

اس سے پہلے کہ وہ کچھ مزید کہتا اس کی نظر فون کی سکرین پر پڑی۔

حیرانی سے پلٹ کر اسے دیکھا تو وہ سر جھکائے اس کے ڈھیلے پڑے ہاتھ سے اپنے شانے کو چھڑوا کر ایک آنسوؤں بھری زخمی نگاہ اس پہ ڈالتی چلی گئی۔

وہ نیچلے لب کو دانتوں تلے دبائے وہاں ہی صوفے پہ بیٹھ گیا۔

فون میں اور کچھ نہیں تھا۔

نہ سیم کارڈ، نہ کوئی نمبر....بس اسی کی تصویریں اسی کی بنائی گئی چوری ویڈیوز.....

"مجھے کیا لینا دینا اس جوگن سے.....ویسے بھی یہ سب دکھاوے ہیں مجھے زیر کرنے کے.....اونہہ۔"

وہ فون صوفے پہ پٹختا وہاں سے تیز قدم اٹھاتا چلا گیا تھا۔

پیچھے فون میں اس کی کئی تصویریں اس کو اپنی غلطیوں کا پچھتاوا نہ کروا کر مایوس پڑی تھیں۔

توں پریت نہ جانی میری پیا

میری جوگن سی بس تیری پیا

***

دن گزر رہے تھے شہروز اور سحر کے درمیان جو تھوڑی بہت بے تکلفی تھی وہ ختم ہوتی جا رہی تھی۔ وجہ صرف یہ تھی کہ سحر اس کی انسلٹ پوری کلاس کے سامنے کر دیتی تھی جو شہروز کو کہاں قبول تھی۔

اور وہ اس بدلے میں اس کے متعلق اپنے دوستوں سے باتیں کرتا جو فیضا اس سے اگلواتی جب بھی سحر سن رہی ہوتی۔

اسکول جوائن کرنے سے پہلے دونوں میں تھوڑی بہت بے تکلفی تھی وہ بھی دیوار کے اوپر سے۔ ورنہ وہ نہ ادھر جاتی نہ وہ لوگ ادھر آتے۔

"ایسی بھی کیا دشمنی جو خالہ کے گھر بندہ نہیں جا سکتا؟"

اس سوال پہ

ماں آگے سے ایسی ڈانٹ لگاتیں کہ وہ چپ ہو کر اپنا سا منہ لیے رہ جاتی۔

علی بھائی بھی غصہ کرتے باپ تو اس کا آرمی میں تھا کبھی کبھار چھٹیوں میں آتا تھا۔

اور جب آتا تو اپنے بھائی سے ملنے ضرور جاتا۔

جب ماں اور خالہ لڑتی تھیں تو وہ غم و غصہ کی حالت میں مبتلا ہو جایا کرتی۔

مگر پھر رفتہ رفتہ اس کو بھی اپنی خالہ اتنی ہی بری لگنے لگی جتنی اس کی ماں کو وہ لگتی تھیں یا جتنی بری اس کی والدہ شہروز کی والدہ کو لگتی تھیں۔

دن گزر گئے آخر ان کی گڈ بائے پارٹی آگئی۔

آج دسویں والوں کو اسکول سے فری کر دینا تھا۔

بڑی کلاس کی ٹیچر ہونے کے ناطے ساری زمیداری سحر پہ تھی۔

وہ بچوں کے ساتھ مل کر کرسیاں لگوا رہی تھی۔

ڈیکوریشن کروا رہی تھی۔

دسویں کا کوئی بچہ وہاں ہال میں موجود نہیں تھا صرف نویں کے بچے موجود تھے جو ساری سجاوٹ وغیرہ کر رہے تھے۔

سحر ان کو ہدایت دیتے ہوئے ادھر سے ادھر جاتی وہاں موجود ہر ایک شے پہ چھائی ہوئی تھی۔

صبح سے جتنی تعریفیں اس

نے وصول کی تھیں یہ تو اسکے ہاتھ میں اور کچھ کرسی پہ پڑے گلاب بول رہے تھے جو نویں کے اور دسویں کے بچوں کی جانب سے ملے تھے۔

بلیک کلر کی لمبی پیروں تک آتی میکسی جس پہ گولڈ نفیس کام ہوا تھا زیب تن کیے، صرف کانوں میں ہم رنگ اور سٹائلش ایئر رنگ پہنے ہوئے تھے اور ہاتھوں میں کندن کے کنگن۔

بالوں کو سٹائل سے اونچی ٹیل پونی میں باندھے چہرے کے دونوں طرف تھوڑے تھوڑے بال گرے ہوئے تھی۔

گلابی رنگت گرمی کی بدولت مزید گلابی ہو رہی تھی۔

صبح سے وہ بچاری ہلکان ہو رہی تھی۔نو بجنے کو تھے

پارٹی شروع ہوئی ختم ہوئی۔

سب سیلفیز وغیرہ لینے لگے۔

تمام بچوں نے سحر سے اپنے کبھی کئے ہوئے برے برتاؤ کے لئے معافی مانگی۔اور آگے سخت محنت کرنے کا وعدہ کیا۔

"ایم سوری میم! میں نے آپ کو بہت ہرٹ کیا تھا۔"

وہ گیلری میں کھڑی

شہروز کو دیکھ رہی تھی جو بلیک شرٹ اور نیرو کریم کلر جینز میں ملبوس اپنے فرینڈز کے ساتھ منہ کے آڑھے ترچھے سٹائل بنا کر سیلفیز لے رہا تھا۔

کبھی وہ گلابی ہونٹوں کو گول کرتا تو کبھی سفید دانت دیکھاتا۔

نجانے اسے کیا سوجھی کہ فون کا کیمرہ آن کرتے ہوئے دور سے ہی شہروز کی دو تین فوٹوز تب کلک کریں جب وہ ہونٹوں کو سیٹی کے انداز میں سکوڑے آنکھوں کو پھیلائے اپنے دوستوں کو فوٹو دے رہا تھا۔

ٹھیک اسی وقت اس نے اپنے پیچھے فیضا کو پایا تو فون کو جلدی سے بند کر کے پلٹی۔

"اٹس اوکے۔تم لوگوں نے مجھے اپنا دشمن سمجھے رکھا۔مگر میں وہ ہر گز نہیں تھی۔"

اس نے نرمی سے مسکراتے ہوئے کہا اور ستون سے ٹیک لگالی۔

"مس سحر!آفیس میں آجایئے گا۔"

کوئی ٹیچر وہاں سے گزری تو اسے کہتے ہوئے گئی،اس نے اثبات میں سر ہلادیا۔

"میں صرف اس لیے تم تینوں پہ سختی کرتی تھی کیونکہ کہ تم تینوں بلکل بھی پڑھائی پہ توجہ نہیں دیتے تھے۔

خیر اٹس اوکے...

دل لگا کے پیپرز کرنا گڈ بائے۔اینڈ بیسٹ آف لک۔"

وہ اس کے سامنے ہاتھ کرتے ہوئے بولی۔

"لیکن مجھے لگتا تھا آپ میری دشمن ہیں مگر اب دشمنی کا کوئی فایدہ ہی نہیں ہے۔

کیونکہ اب میرے پاس کوئی وجہ ہی نہیں۔"

اس نے ایک نظر شہروز پہ ڈالتے ہوئے کھوئے کھوئے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟"

وہ کچھ کچھ سمجھ گئی تھی۔اتنی بچی تو تھی نہیں کہ فیضا کی سرانجام دی جانے والی حرکتوں سے کچھ سمجھتی نہ۔

"یہ ہی کہ شہروز آپ کا کبھی نہیں ہو سکتا۔

کیونکہ آپ کی تو منگنی ہو چکی ہے نہ۔اور وہ میرا بھی نہیں ہو سکتا۔"

اس نے کہا تو سحر کو حیرانگی ہوئی۔

"وہ میرا کزن ہے اس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔تو تم اتنی پاگل تھی کہ یہ سمجھتی رہی کہ.....کہ وہ اور میں۔ہاہاہا....."

وہ سینے پر ہاتھ لپیٹے تمسخر اڑانے والے انداز میں گویا ہوئی۔

"وہی تو۔"

"خیر بیسٹ آف لک ایگزامز کے لیے۔یہ نہ ہو کہ تم دوسرے چکروں میں اپنی پڑھائی برباد کر بیٹھو۔"

وہ ایک نظر اس کے سراپے پہ اور دوسری شہروز پہ ڈال کر آفس کی جانب بڑھ گئی۔

وہ بھی چند پل شہروز جو دیکھتی رہی جو کچھ پل پہلے اس کے پرپوزل کو ریجیکٹ کر چکا تھا اور وجہ کیا تھی؟

یہ ہی کہ وہ اپنے والدین کی پسند سے ہی شادی کرے گا۔

"مطلب اب تمہارے گھر والوں کو ایمپریس کرنا ہو گا؟ مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا تم جیسے چھتیس سو مل جائیں گے۔اونہہ۔"

منہ بسور کر وہ وہاں سے ہٹ گئی۔

"کوک منگواؤ یار!

میم آج تو آپ اپنا پرس ہولا کریں۔"

وہ سب کھانا کھا رہی تھیں کہ ایک ٹیچر نے میز پہ نظر ڈالتے ہوئے کوک کی تلاش کی اور پھر سحر کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے میں ابھی منگواتی ہوں۔"

وہ مسکراتے ہوئے کرسی دھکیل کر اٹھی اور ہال کی جانب بڑھ گئی۔

ادھر ادھر نگاہ دوڑا کے وہ کچھ سوچتے ہوئے سٹیج پہ کھڑے شہروز کی جانب بڑھی۔

"شہروز!" گلا کھنکار کر اس نے اسے پکارا تو سب شاگرد اس کی جانب متوجہ ہوئے۔

وہ جو اس جانب پشت کیے کھڑا تھا ایڑھیوں پہ ہی پلٹا۔

"یہ پیسے لو اور دو کوک لا دو۔ ٹھنڈی ہونی چاہیے۔"

اس نے اپنے وائلٹ سے پیسے نکال کر اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا تو شہروز نے ایک نظر اس کے ہاتھ میں پکڑے پیسوں پہ ڈالی اور دوسری اس کے چہرے پہ۔

اسے ہتک کا احساس شدت سے ہوا تھا۔

جب سحر سارے کام شعیب سے کروایا کرتی تھی تو اسے جلن ہوتی کہ وہ اسے مونیٹر کیوں نہیں بناتی۔

مگر آج اسے احساس ہوا تھا کہ یہ کام شہروز خان کے بس میں نہیں تھا۔

"پکڑو پیسے اور جاؤ بھی۔"

اس نے پیسے پھر سے اس کی جانب بڑھائے تھے۔

"میں لے آتا ہوں میم! میرے پاس بہت پیسے ہیں۔"

وہ سر جھکائے تیزی سے سٹیج سے اتر گیا۔

وہ خجل سی مسکراہٹ لیے واپس پلٹ گئی۔

"شہروز کو بھیجا ہے۔"

آفس میں داخل ہوتے ہی کہتے ہوئے اس نے اپنی نشست سنبھال لی۔

کچھ دیر بعد وہ آفس میں داخل ہوا تھا۔

"میم!"

وہ جو نجانے کن خیالات میں گم تھی کہ اپنے پیچھے اس کی آواز سنتے ہوئے چونکی۔

ایک نظر اس پہ ڈالی اور بوتل تھام لی۔

"شہروز! وہ گلاس پکڑانا۔"

سحر کے ساتھ بیٹھی ٹیچر نے دیوار کے ساتھ رکھے گئے میز کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تو

اس نے اور سحر نے بیک وقت ایک دوسرے کو دیکھا۔

"جی میم!"

آگے بڑھ کر گلاس اٹھایا اور ٹیچر کے سامنے رکھتے ہوئے پلٹ گیا۔

سحر نے نوٹ کیا تھا اس کو اچھا نہیں لگا تھا گلاس پکڑانا۔

خواہ ٹیچر ہی تھی..... مگر شہروز خان اس کیٹا گری کا اسٹوڈنٹ تھا جسے ٹیچروں کے آگے پیچھے

گھومنا اور باقی کے بچوں کی طرح کام کرنا پسند نہیں تھا ہاں وہ عزت سب کی کرتا تھا۔

مگر کسی کا کام کرتے وقت اس کے منہ کے زاویے ہمیشہ ہی بدلتے تھے۔

وجہ یہ تھی کہ اس کے والد کے اسکول میں یہ نظام نہیں تھا۔

نہ بچے ٹیچروں کے چمچے بنتے نہ ان کے آگے پیچھے کام کرتے گھومتے۔

اور سب سے بڑی وجہ گھر میں مجیدہ بیگم نے اسے اس قدر بگاڑا ہوا تھا کہ وہ اپنے شوز بھی خود پولش نہیں کرتا تھا۔

"چیز لادو، پانی پلادو، گلاس دے دو..... یہ کام تو لڑکیوں کے ہوتے ہیں۔"

وہ بڑبڑاتا سر جھٹکتا اسکول کی دوسری بلڈنگ کی جانب بڑھ گیا۔

سحر سب ٹیچرز کو گلے ملی اور پھر اسٹاف روم میں جا بیٹھی۔

علی خان ابھی اسے لینے آنے والا تھا۔

گھڑی پہ ٹائم دیکھتے ہوئے وہ اسٹاف روم سے نکلی۔

"کیا ہوا تم گئی نہیں ابھی؟"

سحر باہر جا رہی تھی کہ دروازے سے علی خان کو دیکھ سکے مگر سامنے سے شہروز آ گیا۔ وہ اس سے ایک سال چھوٹا تھا پر لگتق بڑا تھا۔

قد و قامت کے لحاظ سے وہ اسکے سامنے دب چکی تھی۔

اس بات کو لے کر سحر کئی بار اسے تانے دے چکی تھی قد گھوڑے جیسا لمبا کر لیا پر عقل گدھے جیسی پائی ہے۔

پڑھتے نہیں ہو۔

ایسی ہی باتوں کی بدولت شہروز کو وہ زہر لگتی تھی۔

"تمیز نام کی چیز واقع ہی نہیں رہی شہروز خان!

ٹیچر کو تم نہیں آپ پکارتے ہیں۔اب جاتے جاتے تو اپنی عزت افزائی مت کرواؤ۔"

سحر نے منہ بسورے اسے پھر سے لیکچر دے ڈالا۔

"اب تم میری ٹیچر نہیں رہی تو تم کو آپ کیوں کہوں؟

آنا ہے تو آجاؤ پتہ نہیں تیرا لاپرواہ بھائی کب آئے۔"

شہروز چابی کا رنگ انگلی پہ گھوماتا سن گلاسز لگا کر ایک نظر اس پہ ڈال استہزائیہ ہنسا اور پلٹ گیا۔

"چلی جاتی ہوں کون سا دوشمن ہے کزن ہی تو ہے۔

نہیں تو پیدل جانا پڑے گا۔دس میل.....توبہ۔"

وہ خود کو سمجھاتی جلدی سے اپنی چادر لے کر باہر بھاگی۔

پر باہر جا کر اسے بہت برا جھٹکا لگا یہ دیکھ کر کہ شہروز باہر نہیں تھا اس کی بائیک بھی نہیں تھی۔

"مجھے بیوقوف بنایا۔"

سحر نے مٹھیاں بھینچ کر خود کلامی کی اور پھر وہ پیچھے جانے کی بجائے فٹ پاتھ پہ چلنے لگی۔

"اللہ پوچھے اس کمینے نک چڑھے کو۔

اللہ کرے اس کا بائیک کسی ٹرک میں ٹھوک جائے۔"سحر غصے سے تپ کر رہ گئی۔

گرمی عروج پر تھی اس نے اپنے قدموں کی رفتار بڑھائی۔

عین اسی وقت اس کے سامنے ایک سفید گاڑی رکی تو وہ ڈر کے دو قدم پیچھے ہٹی۔

"ہیلو میم جی! آجائیں میں چھوڑ دیتا ہوں۔"

وہ شیشہ کھول کر چشمہ اتار کر بولا تھا۔

"نہیں شان بھائی! میں چلی جاؤں گی شکریہ۔" سحر نے عجلت سے جواب دیا۔

"اوہ یار کیوں ہمارا رشتہ خراب کرتی ہو میں تمہارا بھائی نہیں ہوں۔

چلو بیٹھو سویٹ منگیتر۔"

شان نے جھک کر لیفٹ دروازہ کھول دیا۔

وہ دروازہ پکڑ کر فراک سنبھالتی بیٹھ گئی۔

"علی نہیں آیا آج؟

کان کھینچتا ہوں اس کے جا کر سالا پتا نہیں کہاں گم رہتا ہے۔"

شان نے مصنوعی غصے سے کہا تو سحر ہنسنے لگی۔

"سالا...؟"

"پر ابھی تو ہماری شادی نہیں ہوئی نا۔" وہ معصومیت سے بولی۔

"ہو جائے گی۔ بس میں یہ سٹڈی کمپلیٹ کر لوں پھر۔ اس سٹڈی پہ دھیان دوں گا۔"

اس نے سن گلاسز اتار کر اسے دیکھا۔

وہ مسکرا کر نیچلے لب کو دانتوں تلے دبائے سر جھکا گئی۔

شان اس کی پھپھو کا بیٹا تھا اور وہ اس کی منگ تھی دل میں شان خان کے لیے تھوڑی بہت جگہ تھی۔ زیادہ نہیں کیونکہ وہ اسے سوچتی نہیں تھی۔ سوچنے کے لیے دور ہونا ضروری ہے پر شان تو اس کے پاس ہر وقت رہتا تھا۔

"شہروز چلا گیا کیا؟ آپ اس کے ساتھ چلی جاتیں۔" شان نے سٹیرنگ گھماتے ہوئے اسے اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔

"جان سے مار دوں گی اس کو۔" من ہی من میں وہ بڑبڑا کر دانت پیس کر رہ گئی۔

"ہاں وہ چلا گیا۔ کافی اچھا ہے کبھی کبھی وہ مجھے گھر لے آتا ہے تاکہ پیدل نہ چلوں۔ اکلوتا کزن ہے نا تو تھوڑا بہت نخریلا بھی ہے۔" پتا نہیں کیوں وہ جھوٹ بول رہی تھی دوسری طرف شان قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ سحر اس کے قہقہے کا مطلب جان کر ندامت سے سر جھکا گئی۔

"تم لوگ بغیر بولے کیسے رہ لیتے ہو کزن ہے وہ تمہارا.... اور تم اس کی۔

اور ممانیاں تو سگی بہنیں ہیں پھر بھی اتنی لڑائیاں..... چلو چھوڑو ہمیں کیا۔ اور سناؤ کیسی رہی پارٹی۔"

شان ساری بات بول کے شانے آچکا کر رہ گیا۔ سحر نے مدھم سی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی اور کھڑکی سے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔

بے وجہ کی نفرت دونوں گھروں میں تھی جو پورا خاندان جانتا تھا۔

***

اسکول میں اسے چھوڑ کر آنے والے شہروز کے کارنامے پہ سحر نے اس کی ساری چڑیاں اڑا دی تھیں جو اس کا ڈیڈ پتہ نہیں کہاں کہاں سے کتنی مہنگی لایا تھا۔

تو آج شہروز نے رات کے پتہ آخری پہر اس کے انار کی ساری لائٹس توڑ دیں۔

وہ جب صبح اٹھی اور یہ حالت دیکھی تو غصے سے لال پیلی ہو گئی۔

چھت پہ چڑھ کر اس کے گھر میں جھانکا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔

اسی وقت شان آیا اور اسے اپنے گھر لے گیا۔

پھپھو نے بلایا تھا۔

شاپنگ کے لیے جانا تھا اور ان ہی چکروں میں شام ہو گئی۔

ان کی گاڑی دروازے کے سامنے رکی تو وہ شان کی کسی بات پہ ہنس رہی تھی جیسے ہی نظر باہر کھڑے شہروز پہ پڑی تو اسے صبح والا واقع یاد آیا۔

منہ پھلا اور مسکراہٹ غائب۔

"کیسے ہو شہروز خان!"

شان اسے اندر جانے کا اشارہ کر کے خود اس کی طرف بڑھ گیا۔ سحر نے غصے سے اس کو دیکھا جو ہونٹوں پر فخریہ مسکراہٹ لیے شان کے ساتھ مصافحہ لے رہا تھا۔

بڑوں میں جو نفرت تھی وہ اب بچوں میں جنم لے چکی تھی۔ علی تو حد درجے کی نفرت کرتا تھا اپنے چاچا اور خالہ سے۔

اور یہ ہی نفرت شہروز اور سحر میں بھی رفتہ رفتہ منتقل ہوتی گئی۔

"ماں باپ نے کہا ہو گا اس کو ذلیل کر۔

اور تم بھی ایک انجان کے ساتھ آنے کو تیار تھی وہ تو شکر ہے شان بیٹے کا جو پہنچ گیا۔

آئندہ اس کے ساتھ بات بھی کی تو منہ توڑ دوں گی تمہارا۔"

ماں کو پھر سے اسکول کی بات یاد آئی تو غصے میں آ گئیں۔

"مجھے شوق نہیں ہے اس کمینے منہ پھٹ اور لوفر کے ساتھ آنے کا۔

بھائی سے کہ دینا آئندہ اگر جلدی نہ پہنچے تو میں نے اسکول چھوڑ دینا ہے۔"

سحر نے بیگ وہاں ہی پھینکا اور چھت پہ چڑھ گئی۔

وہ شہروز کی خبر لینا چاہتی تھی۔

شان جو اندر داخل ہو رہا تھا حیرانگی سے سحر کو تو کبھی کوثر بیگم کو دیکھتا۔

اوپر کا منظر کچھ یوں تھا۔

ایک کمرہ جو کہ سحر کا تھا اس کے باہر گملے رکھے ہوئے تھے ہر طرح کے پھولوں کے گملے وہاں تھے۔ پینک کلر کے سٹائلش پردے اور کمرے کو بہت خوبصورت انداز میں سجایا ہوا تھا بلکنی میں دو کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔

دوسری طرف خالہ کے گھر کا منظر اس سے کچھ مختلف تھا گملے نہیں تھے۔

اور ایک کمرے کی جگہ دو کمرے ایک واش روم ایک چھوٹا سا کیچن بھی تھا۔ اور بلکنی میں ایک سٹائلش سا صوفہ تھا

"اس کے دو تین کبوتر اپنی بلی کو کھلاتی ہوں۔ کیا یاد کرے گا۔" سحر کرسی پر چڑھ کر دوسری طرف جھانکنے لگی۔

وہاں بہت بڑے پینجرے میں کبوتر، چڑیاں کی ہر قسم تھی۔

"یہ چڑیاں پھر سے آ گئیں۔

اس نے سوچا

اور ان کے گھر میں نیچے والی منزل کی جانب نگاہ ماری وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔

"سحری! کیا کر رہی ہو وہاں؟" وہ جو دیوار پھلانگے ہی والی تھی شان کی آواز پر چونکی کرسی کی باہوں سے پاؤں پھسلا اور گرنے ہی والی تھی کہ شان نے اسے بجلی کی پھرتی سے باہوں میں اٹھا لیا تھا وہ ڈر کے مارے آنکھیں موند گئی، ڈر کے مارے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔

"واہ واہ کیا سین ہے....." شہروز نے اپنا فون جینز کی جیب سے نکالا اور ان کی تصویریں بنا لیں۔

سحر ہڑبڑا گئی جبکہ شان مسکرا دیا اور بہت احتیاط سے سحر کو آزاد کیا۔

"یہ تو نیٹ پہ دوں گا۔ الائیڈ اسکول کی ٹیچر سحر خان اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ۔ ہاہاہاہا اچھا ہے نہ ٹیچر جی؟" شہروز دیوار پہ دونوں باہوں کو ٹکائے ان کی جانب جھک کر بولا اور تصویر سامنے کر دیں۔

سحر کا رنگ خوف سے سفید پڑنے لگا تھا۔

"ایسے نہ دیکھو میرے کیمرے کا رزلٹ واقع ہی بہت پیارا ہے۔

"ابھی ڈیلیٹ کرو شہروز!

تم ایسا نہیں کر سکتے۔"

وہ پلٹ کر ہنستے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھا تو وہ چلائی۔

"آپ کو تھوڑا سا خیال رکھنا چاہیے ساتھ میں ہمارے دشمنوں کا گھر ہے اور آپ نے اسے کچھ کہا بھی نہیں۔

ہٹیں....."سحر اسے کو دھکا دے کر کمرے کی جانب بڑھی اور زور سے دروازہ بند کر لیا۔

"سحری! دروازہ کھولو۔

یار کزن ہے وہ تمہارا کچھ نہیں کرے گا۔ مذاق کر رہا ہو گا یار۔" شان نے دروازہ بجایا۔

"وہ کزن نہیں ہے۔ نہ ہی ہمارے کچھ لگتے ہیں دو شمن ہیں ہمارے آپ کو اس پہ اتنا ہی یقین ہے تو جاؤ ان کے گھر۔" وہ غصے سے دروازہ کھول کر بولی۔

"اور آپ کو کیا فرق پڑے گا آپ تو مرد ہو سین تو میرا بننے گا ہر فون کی زینت میں بنوں گی اور آپ اس کے ساتھ مل کر انجوائے کرنا مجھے بدنام کر....."

"شیٹ اپ سحر خان! اتنی بھی نفرت مت اگلو۔

اور تم میرے بارے میں ایسا سوچتی ہو آئی کانٹ بی لیو دس۔" شان نے چیخ کر اس کی بات کو درمیان میں ہی کاٹ دیا اور پلٹ کر تیز تیز قدم اٹھاتا سیڑھیاں اتر گیا۔

"چچ چچ..... ٹیچر جی! اپنے منگیتر سے ہی لڑائی کر لی۔ وہ بھی میری خاطر افف۔"

وہ دیوار پہ بیٹھا چوکلیٹ کھا رہا تھا۔

سحر نے اس کی جانب گھورا تھا اور پھر اس نے سوچا پیار سے بات کرے شاید بات بن جائے۔

"دیکھو تم فوٹوز ڈیلیٹ کر دو میں تمہاری کزن ہوں یار لوگوں میں میری عزت اچھلے گی تو اچھا لگے گا کیا تمہیں۔"

اس نے نرم لہجے میں معصوم بنتے ہوئے کہا دوسری طرف شہروز ہنسنے لگا۔

"اور جب آپ مجھے پورے اسکول کے سامنے ذلیل کرتی تھیں تب؟

تب یہ یاد نہیں آتا تھا کہ میں آپ کا کزن ہوں۔اب میں کیوں سوچوں۔"

وہ دانت پیس کر بولا۔

"تب تمہاری غلطی ہوتی تھی۔اور میں تمہاری ٹیچر تھی۔سزا دے سکتی تھی پر تم....."سحر نے بھی پیشانی پہ بل ڈال کر کہا۔

"اب سمجھ لو میں آپ کا سوری تمہارا ٹیچر ہوں۔اور میرے اسٹوڈنٹ نے اتنی بڑی....."

فون پہ نظر آتی فوٹو پہ ایک نظر ڈال کر فون کی سکرین اس کی جانب کی۔

"اتنی بڑی بلکہ استغفار وہیات غلطی کی ہے سزا تو بنتی ہے۔"

وہ کانوں کو ہاتھ لگاتا مصنوعی افسوس کر رہا تھا۔

"کیا ہوا جو تم مجھ سے ایک سال بڑی ہو اور بی اے کر رہی ہو اتنی کلاسز چھوڑی ہیں تم نے تو ہی اتنی آگے بڑھ گئی۔

تھری چھوڑ کر سیدھا فائو میں جا بیٹھی۔بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی۔"

شہروز نے اسے یاد دلوایا کہ بھی وہ سچ رہا تھا بورڈ کی کلاسز کے سوا اس نے کوئی کلاس بھی تو ٹھیک سے نہیں پڑھی تھی۔"میں نے اپنی ذہانت کی بنا پر کی تھیں سمجھے تم۔تم بھی کلاس چھوڑ سکتے تھے پیف والوں نے کہا تھا۔پر.....انہوں نے صرف لائق اسٹوڈنٹ کے لیے یہ آفر دی تھی،اور تم تو تھے نہیں۔"

وہ آخر پہ ا

ہنسی تھی۔

"ذہانت نہیں مس خان! مجھے نیچا دیکھانے کے لئے۔

سارے کزنز یہ ہی کہتے تھے کہ میں بد دماغ ہوں اور سحر ذہین۔"

اس نے پہلے انگلی اپنے سینے پہ رکھی اور پھر اس کی جانب کرتے ہوئے غصے سے بولا۔

"تو تم بد دماغ ہی تھے ہو اور رہو گے۔ابھی بھی بد دماغ ہو علاج کرواؤ اپنا۔"

اس نے دانت پیستے ہوئے کہا تھا۔

"اور پھر پہنچ گئی میرے اسکول مجھے مزید ذلیل کرنے۔اور علاج تو تم اپنا کرواؤ، پاگل عورت۔"

اور پھر وہ دونوں جنگ کرنے لگے تھے۔بلکل بچوں کی طرح۔جیسے بچپن میں لڑتے تھے ویسے ہی۔

مگر اب وہ دونوں ایک دوسرے سے جب ناراض ہوتے تو مناتے نہیں تھے بلکہ ایک دوسرے سے مزید چڑ جاتے۔

"اور مجھے کیا پتہ تھا تو کمینہ بھی اسی اسکول میں ہو گا۔

اگر علم ہوتا تو کبھی نہ آتی۔"سحر کا پارہ چڑھ گیا تھا۔

"تو پھر جب پتہ چل گیا تھا تب کیوں نہیں چھوڑا؟"

اس نے گھور کے اسے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

اس کے پاس جواب نہیں تھا وہ لب بھینچ کر خاموش ہو گئی۔

"سیدھی سی بات ہے مجھے ٹارچر جو کرنا تھا۔

اور اب یہ تصویریں تو میں نیٹ پہ دوں گا۔ کر لو جو کرنا ہے۔" شہروز نے کہا اور دیوار سے چھلانگ لگا کر اپنے کمرے میں جا گھسا۔

"اللہ پوچھے تجھے حرام مار۔"

سحر پیر پٹختی نیچے چلی گئی

ساری رات اور اگلا دن دماغ میں دھماکے ہوتے رہے۔

وہ بار بار نیٹ پہ سرچ کرتی تو کبھی شہروز کی پروفائل دیکھتی۔

پھر سوچتی کہہ کہیں وہ ڈیڈ کو نہ بھیج دے اور پھر پتہ نہیں ان کا کیا رد عمل ہو؟

آخر اس نے سوچ لیا کہ کیا کرنا ہے۔

"دو تین ہڈیاں ٹوٹیں گیں تو عقل ٹھکانے آجائے گی۔"

وہ بڑبڑاتی ڈوپٹہ سر پہ ٹکاتی علی خان کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ لیپ ٹاپ سامنے رکھے پوری طرح

مصروف تھے۔

اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"آجاؤ۔"

اور پھر اس نے ساری بات بتادی۔

پھر کیا تھا شام کو ہی ایک بریکنگ نیوز پورے محلے میں چل رہی تھی کہ۔

علی خان جیسے سلجھے اور سخت گیر شخص نے شہروز کو گلی میں پکڑ کر ہی اچھے سے پٹائی کی اور فون بھی توڑ دیا۔

وجہ یہ تھی کہ اس نے سحر خان جو چھیڑنے کی ہمت کی۔

وگرنہ علی خان اور کسی کو بنا کسی وجہ کے تکلیف پہنچا ہی نہیں سکتا۔

شہروز کا سر پھوٹ گیا تھا اور علی کو بھی کافی چوٹیں آئی تھیں۔چاچا اور خالہ گھر لڑنے آ گئے آخر ان کا اکلوتا بیٹا جو ٹھہرا۔

علی نے انہیں بھی اچھی خاصی سنا دیں۔اور کہا آئندہ کسی کی ماں بہن کو چھیڑا تو انجام اس سے بھی برا ہو گا۔

وہ جو اپنے کمرے میں بیٹھی یہ سب سن رہی تھی خوف زدہ ہو گئی۔

اس نے کب سوچا تھا کہ اتنے سنجیدہ حالات بھی ہو سکتے ہیں۔

"اگر شہروز نہ روکتا تو میں پولیس کو کال کرنے ہی والا تھا۔مگر قسمت اچھی ہے تمہاری۔میں تمہیں وارننگ دیتا ہوں آج کے بعد تم ذرا لگانا میرے بیٹے کو ہاتھ پھر میں تمہیں انجام دکھاؤں گا۔"

خالو پلس چاچا چلائے تھے۔

سحر نے جلدی سے دروازہ بند کر لیا وہ ہمیشہ ہی چاچا کے غصے سے ڈرتی آ رہی تھی۔

کیونکہ بچپن میں ایک مرتبہ اسنے شہروز کو دھکا دیا تھا اور پھر کیا تھا چاچا اپنے اکلوتے بیٹے سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ اپنی پھول سی بھتیجی کو ایک چماٹ سے نواز دیا۔

پھر اس دن کے بعد اس نے کبھی شہروز کو ایک انگلی سے چھوا تک نہ تھا۔

****

توں سنبھال لے اب اس دلِ بے قرار کو
یہ خواہش دل میں باقی ہے بس تھوڑی سی

جب سے وہ اس عالیشان محل..... نہیں بلکہ جیل میں آئی تھی تو جینا ہی بھول گئی تھی۔
یہ سنگ مرمر کی اونچی عمارت اس سے اس کے شوہر کو کس قدر دور کیے ہوئے تھی۔
پر اس کا شوہر اس کا تھا ہی کب؟
کتنی ہی نامراد دل کو چور کرنے والی سوچیں اس کے دماغ میں پیدا ہو رہی تھیں۔
مگر وہ بے حس و حرکت لان کی جانب اترتی سیڑھوں پہ بیٹھی دور آسمان پہ چھائے بادلوں کو دیکھ رہی تھی۔
"افکورس میم! اس میں اتنی بھی کوئی پرابلم نہیں ہے آپ چاہیں تو میرے ساتھ بھی چل سکتی ہیں۔"
"ہاہاہا تم بھی نا..... تمہاری بیوی ہے تم اس کے ساتھ جاؤ۔"
وہ دونوں خوش گپیاں مارتے ہاتھ میں کافی کے مگ پکڑے لان کے بینچ پہ جا بیٹھے۔
اس کے دل میں ایک درد سا اٹھا تھا۔
شوہر اس کا اور ہنستا کسی اور کے ساتھ تھا۔

"نہیں یار! وہ کہیں نہیں جائے گی اس ٹریپ پہ تو تم ہی میرے ساتھ چل رہی ہو۔ تمہارا موڈ بھی ٹھیک ہو جائے گا۔"

ادھر اس کی آنکھیں برسیں تو ادھر آسمان سے بارش۔

"اوہ شیٹ..... چلو چلو۔"

وہ غیر ارادی طور پر اپنے ساتھ بیٹھی لڑکی کا ہاتھ تھامتے ہوئے پیچھلی سیڑھیوں کی جانب بڑھا تو وہ تیزی سے اٹھ کر دائیں جانب ٹریک پہ چلتی لان کے اس حصے میں چلی گئی جہاں وہ دونوں اسے نظر نہ آئیں۔

بارش زوروں سے برسنے لگی تھی۔

وہ دونوں سیڑھیوں پر بیٹھے ادھر ادھر کی باتیں کرتے کافی کے ساتھ بارش انجوائے کر رہے تھے۔

ایسا پہلی مرتبہ نہیں ہوا تھا کہ وہ ظالم شخص کسی اور کے ساتھ تھا اور اسے اگنور کر رہا تھا ایسا کئی مرتبہ ہو چکا تھا۔

"مجھ پہ اتنی پابندیاں عائد کر رکھیں ہیں مگر خود..... خود کیوں وہ اپنے گریبان میں نہیں جھانکتا؟"

سینے پہ ہاتھ لپیٹے وہ کیٹ واک کر رہی تھی۔

مگر ذہن ہنوز اس شخص میں ہی اٹکا تھا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کے متعلق سوچتی تھی۔

"یہاں کیا کر رہی ہو؟ نظر نہیں آ رہا کہ بارش تیز ہوتی جا رہی ہے؟"

وہ اس کی آواز پہ بری طرح چونکی تھی۔

مگر جلد ہی خود کو سنبھال کر اس کی جانب پلٹی۔

گرے جینز اور کالی بٹنوں والی ٹی شرٹ میں وہ اپنی تمام تر وجاہت لیے اس کے سامنے کھڑا تھا۔

مگر اس کی وہ غصیلی نگاہیں اس نازک سی گڑیا کے وجود کے آر پار ہو گئی تھیں۔

وہ سختی سے لب کاٹتی سر جھکا گئی۔

"آپ جائیں میں آ جاؤں گی۔"

سینے پہ ہاتھ لپیٹے وہ پلٹ گئی۔

"میں نے تم سے یہ نہیں کہا کہ تم مجھے بتاؤ کہ کیا کرنا ہے۔

چلو جاؤ یہاں سے۔"

وہ کر خنگی سے بولا۔

"کہیں تو چین کی سانس لینے دیا کرو۔"

وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی آگے بڑھ گئی۔

"کیا جو میرا دل کہہ رہا ہے وہ کرنا چاہیے؟"

اس نے زور زور سے دھڑکتے دل پہ ہاتھ رکھتے ہوئے سوچا۔

خود بخود ہی قدم رک گئے تھے اور وہ پلٹی۔

وہ اس کی جانب پشت کیے پسلیوں پہ ہاتھ ٹکائے کھڑا تھا۔

وہ بہت آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی اس کے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔

بہت آہستگی سے اس کی کمر پہ سر ٹکائے ہاتھوں کو سینے پہ رکھا ہی تھا کہ وہ کرنٹ کھا کر پلٹا اور اسے بازو سے تھام اپنے سامنے کرتے ہوئے زور کا تمانچہ اس کی رخسار کو پیش کیا۔

وہ زمین بوس ہو چکی تھی۔

"یہاں کیوں کھڑی ہو چلو بھی۔"

وہ جب اس کے پاس آ کر بولا تو وہ ہوش میں آتے ہی پھر سے ڈر گئی۔

"شکر ہے خواب تھا۔"

وہ خوف زدہ سی اس کے پر کشش چہرے سے نگاہیں چرا گئی۔

سفید رنگت کافی حد تک سرخ پڑ گئی تھی۔

وہ کئی پل اس کو انہماک سا دیکھتا رہا اور پھر جھک کر اپنی مضبوط باہوں میں اٹھا کر شانے پہ الٹا ڈال لیا۔

"چھوڑو مجھے خان! کیا کر رہے ہیں آپ....؟"

وہ اس کے شانے پہ الٹی لٹکی ہوئی تھی۔

"چپ کرو۔ میرے سامنے زبان مت چلایا کرو۔"

وہ غصے سے چیخا تھا کہ اس کے سانس خشک ہوتے گئے۔

مگر آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

اس کی ایک کھلونے کی سی اہمیت تھی اس شخص کی زندگی میں۔

جب دل چاہتا وہ اس کے ساتھ کھیل لیتا۔

جب دل چاہتا توڑ دیتا..... مگر اس نے اس کانچ کی گڑیا کو کبھی جوڑا نہیں تھا۔

***

"یار! تم نے اس بیچارے کی شکایت علی بھائی سے کیوں کی؟

زمان بھائی بتا رہا تھا اگر وہ نہ چھڑوانے آتے تو اس بچارے کو علی خان بھائی مار ہی دیتے۔"

روما جو اس کی ہمسائی ہونے کے ساتھ ساتھ اچھی دوست بھی تھی اور والد صاحب کے دوست کی بیٹی تھی۔

کافی آنا جانا تھا دونوں گھروں کا۔

مگر صرف عورتیں ہی گھروں میں آتی تھیں۔

مرد تو بیٹھک تک ہی محدود تھے کیونکہ علی خان بہت سخت مزاج بندہ تھا۔

نہ وہ کسی کے گھروں میں گھستا تھا نہ اپنے دوستوں کو گھسنے دیتا تھا۔

روما اسے تجسّس آمیز لہجے میں بتا رہی تھی۔

"تو کیا ہوتا اگر وہ مر جاتا۔ سکون تو ہوتا۔"

سحر دانت پیس کر بولی اور بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

"خالہ کا بیٹا ہے وہ تمہارا، اتنی نفرت اچھی نہیں ہوتی۔

سحری! نفرت سے رشتوں کی ڈور ٹوٹتی ہے اور محبت سے مضبوط ہوتی ہے۔"

وہ اسے سمجھانے والے انداز میں کہہ رہی تھی مگر وہ کہاں سن رہی تھی۔

"تمہیں اس کی عیادت کے لیے جانا چاہیے۔اتنے دن ہو گئے وہ گلی میں نظر نہیں آیا لگتا ہے کافی چوٹیں آئی ہیں۔"

رومانے اسے پیار سے سمجھایا۔

"چوٹیں نہیں منہ دکھانے کے لائق نہیں رہا۔میری فوٹوز نیٹ پہ دے گا۔

اونہہ....."

وہ سر جھٹک سائیڈ ٹیبل پہ پڑی کتاب اٹھا کر گویا ہوئی۔

"اور اگر تمہیں اتنی ہی فکر ہے تو جانہ خود پوچھ لے جا کے اس کا حال۔"سحر پہلے تو خاموش رہی پھر جھٹ سے کتاب بند کر کے بولی۔

"ہائے میں مر جاؤں.....کاش میں جا سکتی مگر تمہاری خالہ تو ناگن کی طرح اس سونے کی حفاظت کر رہی ہے۔"

اس نے ٹھنڈی آہ بھری تو سحر کا منہ کھل گیا۔

"قسم یار پورے محلے میں اس جیسا ہینڈسم اور دلکش لڑکا نہیں ہے۔"

اٹھ کر بیڈ پہ گرتے ہوئے وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔

"وہ خوبصورت آنکھیں،گلابی رنگت،گلابی ہونٹ،گول چہرا،اور اس کا قد اور ٹین پیک باڈی.....ہائے لڑکیاں تو آہیں بھرتی ہیں اسے دیکھ کر اور تو نے بدبخت،پھوٹی قسمت والی نے ہمارے ہیرو کو اس ولن سے پٹوا دیا۔"

اس نے کشن اٹھا کر غصے سے دانتوں پہ دانت جمائے اسے دے مارا۔

"آہا.....

اگر اتنی ہی دل میں آگ مچی ہوئی ہے تو جانہ میری بہن چلی جا میرے پاس کیوں بیٹھی ہے۔

اس کے پاس جا کے اس کے حسن کی تعریفیں کر۔"

سحر نے اس کے ہاتھ سے اپنی کتاب کھینچتے ہوئے تنک کر کہا۔

"بات تو تیری ٹھیک ہے۔پر تیری خالہ کا کیا کروں۔"

وہ سوچ میں پڑ گئی۔

سحر نے سر پیٹ لیا۔

"اچھا بتا میں کیسی لگتی ہوں؟"اس نے مسکرا کر پوچھا اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"اچھی بھلی ہو۔

لنگڑی بھی نہیں ہو،رنگ بھی سفید ہے پر مجھ سے تھوڑا سا کم۔تم پتلی کچھ زیادہ ہی ہو۔منہ بھی چوہی جیسا ہے چھوٹا سا۔بس ہاتھ پیارے ہیں۔"سحر نے ڈیٹیل سے کہا۔

"شیٹ اپ میں سمارٹ ہوں سمجھی۔تمہاری طرح موٹی نہیں۔"

روما مصنوعی غصے سے بولی۔

"ہاؤ فنی.....میں موٹی نہیں ہوں سمجھی۔بس کھاتے پیتے خاندان سے تعلق رکھنے والی لڑکی ہوں۔"

سحر نے اپنے کھولے قمیض کو پیچھے سے پکڑ کر بدن سے چپکاتے ہوئے اسے دکھایا کہ جتنے کھلے کپڑے پہنتی ہے اتنی موٹی نہیں ہے۔

"اچھا یہ سب چھوڑو تم میرا ایک کام کرو گی؟"

روما اس کے پاس بیٹھتے ہوئے محبت اور التجاء بھرے انداز میں استفسار کیا۔

"نہیں سوچنا بھی مت میں اس بدلحاظ شہروز ٹینڈے کے پاس ہر گز نہیں جاؤں گی۔"

وہ اس کا مطلب سمجھ کر چلائی۔

"پلیز پلیز میری خاطر اپنی دو شمنی بھول جاؤ تھوڑی دیر کے لیے بس۔ یہ اسے دے دینا پلیز۔"

وہ اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ کا ٹکڑا تھما کر ہاتھ جوڑ لیے۔

"نہیں ہر گز نہیں بھیا کو پتا چل گیا تو میرا خون پی جائیں گے۔ اب حالات ایسے نہیں کہ میں وہاں جاؤں۔"

سحر نے کاغذ کا ٹکڑا اس کے ہاتھ پہ رکھ دیا۔

"یار اپنی اکلوتی دوست کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتی۔

میری محبت تمہارا کزن ہے پلیز مجھے میرا محبوب دلا دو پلیز۔ اس سے بات کرو آخر ہے تو وہ تمہارا کزن مان جائے گا۔"

وہ یکدم رونے لگی سحر اس کو دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

"پلیز سحری! بس ایک بار تمہیں پتہ بھی ہے کہ میں اسے دل سے چاہتی ہوں پر اس کے سامنے جانے کی ہمت نہیں ہوتی اس کا وہ غصہ، دلکش چہرہ اور خود میں سختی لی ہوئی پیاری پیاری آنکھیں دیکھ کر میری ٹائیں ٹائیں فس ہو جاتی ہے۔"

وہ اس کے پیروں پہ لیٹتے ہوئے بولی۔

"اچھا ٹھیک ہے چلی جاؤں گی۔اٹھو ڈرامے بند کر اپنے،لادے....."سحر نے برا سا منہ بنا کر اس سے کاغذ کا ٹکڑا لے لیا۔

"سحری!اگر وہ کسی اور کو چاہتا ہوا تو؟"

"شرم کر یار بچہ ہے ابھی وہ۔"

اس نے سختی سے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"پیار عمر نہیں دیکھتا میں کون سا بڑی ہوں۔"اس نے منہ بسورا۔

"چلو ٹھیک ہے میں پوچھ لوں گی اور اس میں لکھا کیا ہے۔"

اس نے بغیر کاغذ کھلتے ہوئے پوچھا۔

"نمبر ہے میرا باقی کی بات تو فون پہ کروں گی۔

اب جاتوں میں انتظار کر رہی ہوں وہ اوپر اپنے کمرے میں ہی ہو گا۔"

وہ ڈوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے بولی

"ابھی نہیں رومی!رات کو جاؤں گی۔صرف تمہاری خاطر مجھے چوروں کی طرح اس کمینے کے گھر جانا پڑ رہا ہے۔اگر اس نے کوئی نیا ڈرامہ شروع کر دیا تو تمہیں کبھی نہیں معاف کروں گی۔"

وہ دانت پیس کر بولی۔

"کمینہ نہیں جیجا جی بول۔"

اس نے آنکھ دبائی

"جیجا جی کیسے ؟"

سحر نے نا سمجھی سے سر ہلا کر اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"جیسے شان میرا جیجا ہے ویسے ہی شہروز تمہارا۔"

اس نے اسے کاندھا مار کر چھیڑتے ہوئے کہا۔

"دفع ہو جاؤ۔"

سحر نے کتاب اٹھا کر اسے دے ماری۔

"جاؤ گی نہ تجھے جیجا جی کی قسم اگر نہ گئی تو جیجا کو کچھ ہو جائے گا....."

اس نے اسے ڈرانے والے انداز میں کہا۔

اس سے پہلے سحر اب کی مرتبہ جوتا اٹھاتی وہ بھاگ کر کمرے سے نکلی۔

دیوار کے دوسری جانب کھڑے شہروز کو دیکھ وہ رکی اور ہاتھ اٹھا کر ہائے میں ہلا تو اس نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

وہ ہنستے ہنستے سیڑھیاں اتر رہی تھی کہ آخری سیڑھی پہ پہنچتے ہی علی خان سے بہت بری طرح ٹکر ہوئی

اس سے پہلے کہ وہ گرتی اس نے تیزی سے روما کا ہاتھ تھام لیا۔

اس کے ہاتھ میں جو فائل تھی وہ زمین بوس ہو چکی تھی۔

وہ حیران کن نگاہوں سے روما کو تکنے لگا جو اس کی آغوش سے آزاد ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔

"علی بھائی! م میرا بازو چھوڑیں۔"

وہ اس سے ہمیشہ ہی ڈرتی تھی جیسے سحر ڈرتی تھی۔

وہ بنا کچھ بولے اسکا بازو چھوڑ جھک کر فائل کے پیپر اکٹھے کرنے لگا۔

روما نے ایک نظر اس کے ہاتھوں پہ ڈالی۔

سکائی شرٹ جس کی آستینیں کہنیوں تک فولڈ کر رکھی تھیں، سفید بازوؤں پہ کالے بال بہت پیارے لگ رہے تھے۔

"پتہ نہیں کس چکی کا آٹا کھاتے ہیں یہ؟

اتنا سخت ہاتھ۔ پتہ نہیں شہروز نے کیسے برداشت کی ہو گی مار۔"

وہ نفی میں سر جھٹکی آنکھیں پھیلائے وہاں سے ہٹ گئی۔

علی خان نے پیپر سنبھال کر اٹھائے اور جیسے ہی واپس پلٹنے لگا اس نظر سیڑھی پہ گری کسی چین پہ پڑی۔

جھک کر اٹھاتے ہوئے نگاہوں کے سامنے کی۔

نفیس بریسلٹ تھی جس میں چھوٹا سا دل بنا ہوا تھا۔

یہ روما کی بریسلیٹ تھی چند پل وہ دیکھتا رہا پھر منہ کے زاویے بگاڑے اسے دوبارہ سے وہاں ہی پھینک دیا جیسے کچرے کو پھینکا جاتا ہے۔

وہ سیڑھیاں اتر کر مین گیٹ کی جانب بڑھ گیا تو دیوار پہ کھڑے شہروز کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

وہ سیٹی بجاتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

"اللہ جی یہ کیا بلا میں نے گلے ڈال لی اب اس بد تمیز کی دیوانی کا لیٹر لے کے جاؤں گی۔

افففف ایک تو اللہ ایسی دوستیں ہر کسی کو دے پھر لوگوں کو پتہ چلے کہ دشمنوں سے ہی جب دوستیں محبت کر بیٹھیں تو کیا ہی مزے..... میں پاگل ہو گئی ہوں کیا جو خود سے باتیں کر رہی ہوں۔"

سحر نے کشن اٹھا کر اپنے سر پہ دے مارا۔

کچھ دیر وہ کتاب کو بے دلی سے دیکھتی رہی اور اٹھ کر کمرے سے باہر نکلی تو نیچے سے ماں کی آواز سن کر وہ بری طرح چونکی۔

"یہ دونوں پھر سے لڑائی کرنے لگیں۔"

وہ سر پیٹتی تیز قدم اٹھاتی سیڑھاں اترنے لگی۔

خالہ اور ماں باہر اپنے اپنے دروازے کے سامنے کھڑی لڑ رہی تھیں۔

دو تین دن ہوئے تھے علی اور شہروز کی لڑائی کو تب سے یہ جنگ جاری تھی۔

جاہلوں والی جنگ.....

وہ بلکل بھی پڑھے لکھے خاندان کی عورتیں لگ ہی نہیں رہی تھیں۔

سحر نے سر تھام لیا چھت پہ کھڑے شہروز نے گہرا سانس لیا اور سینے پر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو کے لڑائی انجوائے کرنے لگا کیونکہ وہ جانتا تھا دونوں خواتین جب تک جی بھر کے منہ ماری نہیں کر لیں گی سکون کا سانس نہیں لیں گیں۔

"ماں! اندر چلیں بس کریں۔"

سحر نے لوگوں کو جمع ہوتا دیکھ ان کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ارے تو ہٹ جا۔

ایک تو اس کا لڑکا ہماری لڑکی کو چھیڑتا ہے اوپر سے یہ مجھ سے لڑتی ہے، بدعائیں دیتی ہے۔

اب تم لوگ ہی بتاؤ کون ٹھیک اور کون غلط ہے۔ میری تو مت ماری گئی کہ اسے اپنے دیور کے لیے بیاہ کے لے آئی۔ حالانکہ سوتیلی بہن تھی سوچنا چاہیے تھا مجھے کہ کل کو کیا گل کھلائے گی۔" کوثر نے حمیدہ کو دیکھ کر دانت پیسے سر پیٹا۔

سحر بار بار انہیں کھینچتی پر ماں میں زور زیادہ تھا کبھی وہ حمیدہ (خالہ) کی طرف بھاگتی۔ پر دونوں چپ نہیں ہو رہی تھیں۔

وہ ہارے مانتی سر پکڑ کر اپنے گھر کی دہلیز پر جا کھڑی ہوئی۔

"ارے واہ واہ..... تیری بیٹی کون سا دودھ سے دھلی ہے۔

اپنے منگیتر کی باہوں میں گری پڑی تھی۔ میرے بیٹے نے تو بس ان کی تصویریں کھینچیں۔

کون سا غلط کیا؟"

خالہ نے یوں کہا جیسے یہ کوئی ڈرامہ سیریل کا سین تھا۔

یہ بھول گئیں کہ ان کی اپنی بھانجی کی بات ہے۔

اس کا سر گھوم گیا تھا اس کو لگا وہ گر جائے گی۔

خالہ نے پورے محلے کے سامنے اس کی عزت اچھال دی تھی لوگ اسے کن کن نظروں سے دیکھنے لگے۔

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔اتنی بھی کیا نفرت اپنی بیٹی کو ہی بے عزت کر دیا جائے۔

آنسو رخساروں پر بہنے لگے تو وہ منہ پہ ہاتھ رکھتی واپس پلٹی اور بھاگتی اندر چلی۔ چھت پہ کھڑا شہروز دیکھ کر ہنس دیا۔

وہ جو سیڑھیاں عبور کرتی اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی اسے ہنستا دیکھ بے اختیار ہی رک گئی۔

"تمہیں بہت مزہ آرہا ہے نا؟

لو ہو گیا تمہارا کام جو تم نے نہیں کیا تمہاری ماں نے کر دیا تم پوری دنیا کے سامنے مجھے رسوائی دینا چاہتے تھے پر تمہاری ماں نے پورے محلے میں مجھے بدنام کر دیا۔"

دونوں ہاتھوں میں سر گرائے وہ آنسوؤں میں غوطہ زن آواز میں بولی۔

"ایسی بھی کیا دشمنی یار۔

کیا بگڑا ہے میں نے یا میرے گھر والوں نے تم لوگوں کا۔

اللہ پوچھے گا تم لوگوں سے۔"

سحر کی موٹی موٹی آنکھوں سے بیشمار آنسوئں بہہ گئے تھے۔

ناک اور آنکھیں پل میں خود میں سرخی سمو گئی تھیں۔

وہ آنسو شہروز کو اچھے نہیں لگ رہے تھے ایک پل کو تو اس کے چہرے پہ سنجیدگی اور ندامت کے تاثرات نمودار ہوئے پھر اپنے ساتھ کیے گئے علی کے سلوک کو یاد کر غصے کے ساتھ ساتھ وہ حقارت سے مسکرایا۔

"تمہاری وجہ سے ہی ہوا ہے شاید میں ایسا کچھ نہ کرتا پر تم نے..... تم نے مجھے اس حال میں پہنچا دیا۔ میں نے کیا بگاڑا تھا۔ میری فیملی نے کیا بگاڑا تھا؟

بدنام تو پہلے تم نے مجھے کیا اور مروایا بھی تھا۔ یاد ہے نہ؟"

وہ دیوار کے قریب آیا اور اس نے زور کا مکا دیوار پر جڑا تھا وہ خوف زدہ سی ہوتی منہ پہ ہاتھ رکھ دو قدم پیچھے ہٹی۔

"اتنا تو یقین ہوتا ہے کہ میں ایسا کچھ نہیں کرنے والا تھا۔ اب کچھ تو تمہیں بھی برداشت کرنا پڑے گا۔

مجھے بھی تو تمہاری ماں نے بدنام کیا کہ ہماری بیٹی کو چھیڑتا ہے جبکہ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ اب انجام تمہارے سامنے ہے۔" وہ غصے سے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے کہتا اپنے کمرے میں جا گھسا۔

سحر دنگ رہ گئی۔

"شاید میں ایسا کچھ نہ کرتا....." شہروز کے فقرے اور اس کی آنکھوں کی آگ سحر کے وجود کو جھلسا کر راکھ کر گئی تھی۔

نفرت کے ساتھ ساتھ جنون بھی تھا۔

کیسا جنون وہ نہیں سمجھی؟

بس اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ شہروز خان کی اب سے دشمن بن گئی ہے وہ بھی پکی دشمن.....

آنے والا وقت اس کی زندگی میں طوفان لائے گا۔

وہ پلٹی اور بالکنی میں رکھی کرسی پر بیٹھ کے رونے لگی۔

"شان! آپ گھر آ سکتے ہیں؟

ابھی آجائیں پلیز، مجھے آپ کی ضرورت ہے۔" سحر نے کانپتے ہاتھوں سے فون پکڑ کر بہتے آنسوں کے ساتھ التجاء کی

"میں ابھی آرہا ہوں ڈونٹ بی کرائے۔"

شان فکر مندی سے بولا اور اس کا ابھی ختم ہی نہیں ہوا سحر کرسی پر بیٹھی انتظار ہی کرتی رہی جب کال کی تو نمبر بند تھا۔ایک بار پھر سے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

***

شہروز کالج جانے لگا تھا۔

وہ پوری طرح بلکل بدل چکا تھا۔

اس کی اسٹڈی میں انٹر سٹنگ بڑھ گئی سحر کو ہرانا جو تھا۔اور وہ کر بھی میڈ یکل رہا تھا۔خاندان کے لڑکے لڑکیاں اسے تنگ کرتے کہ تو بد دماغ ہے۔

اب اس نے بھی ٹھان لی تھی کرنا ہے مطلب کرنا ہے۔

ادھر وہ تب سے شان سے ٹھیک سے بات نہیں کرتی تھی جب سے اس نے اسے پکارا اور وہ دوڑا نہیں آیا۔

نہ ہی کال اٹھاتی جب وہ گھر آتا تو اگنور کرتی۔

آہستہ آہستہ شان نے بھی آنا چھوڑ دیا دونوں کو بڑوں نے رشتے میں باندھا تھا جسے قبول کیا تھا انہوں نے۔

مگر اب سب الٹ ہی ہو رہا تھا۔

اور جب شہروز کا رزلٹ آیا سب حیران رہ گئے۔

اس نے ایف ایس میں شاندار کارکردگی دکھاتے ہوئے فرسٹ پوزیشن حاصل کی تھی ڈویژن میں۔

سحر خوش ہوئی تھی۔ وہ اسے مبارک باد دینا چاہتی تھی کیونکہ اس کے دل میں تو زیادہ دیر نفرت ٹھیکا نہ ہی نہیں کر سکتی تھی۔

اور جب وہ ان دو سالوں میں ایک مرتبہ بھی دکھائی نہ دیا تو اسے احساس ہوا شہروز سے وہ کبھی بھی نفرت ہی نہیں کر سکتی وہ ہمیشہ سے اس کا بہترین کزن تھا۔

"سحر بی بی! میں نے سنا ہے تم فیل ہو گئی۔

چچ چچ..... دیکھ لو پھر تمہارا دشمن ٹاپ کر گیا ہے مبارک نہیں دو گی۔"

شہروز دو سال بعد دیوار پہ بیٹھا اسے نظر آیا تھا۔

اسے وہ دو سال بعد سن رہی تھی۔

سحر جلدی سے مڑی اور اسے دیکھ کر مسکرا دی۔

وہ بھی مسکرا رہا تھا پر اس کی مسکراہٹ میں طنز کی ملاوٹ تھی۔

یہ دیکھ پل بھر میں سحر کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

"مبارک ہو پر مت بھولو ابھی بھی دو قدم دور ہو۔"

سحر نے پلٹ کر چارپائی پر کھلی اپنی کتاب بند کی اور دیوار کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

شہروز پہلے اسے دیکھتا رہا اور پھر اس کی چھت پہ چھلانگ لگا دی۔

سحر ڈر کے مارے دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

"دو قدموں کی دوری بھی میں ختم کر لوں گا۔ گھبراؤ نہیں میں شہروز خان ہوں۔"

وہ مسکراتا اس کی جانب دو قدم کا سفر تہہ کر گیا۔

وہ پیچھے ہٹی پھر وہ آگے بڑھا سحر پھر پیچھے ہٹی۔

خوف سے بھری آنکھیں اس کے چہرے پر ہی تھیں۔

"کیا کر رہے ہو۔ میری منگنی ہو چ... چکی ہے۔ اور تم نے میرے ساتھ بدتمیزی کی تو میں بھیا کو بتا دوں گی۔"

اس کو جب کچھ بھی سمجھ نہ آیا تو وہ آنکھیں موندے انگوٹھی والی انگلی اس کے سامنے کر کے بولی۔

وہ واقع ہی ڈر گئی تھی۔

بیشک اس سے عمر میں ایک سال چھوٹا ہی تھا مگر وہ قد و قامت میں اس سے بڑا تھا۔

"ہاہا.....ہابیو قوف تمہیں چھونے سے پہلے میں مر نہ جاؤں گا۔

پتا نہیں شان کو تو کیسے پسند آگئی چھپکلی۔

اور مجھے اتنا گھٹیا سمجھ رکھا ہے کیا تم نے؟"

شہر وز نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا اور پلٹ کر دیوار پھلانگ گیا۔

"یو بندررر.......آہ۔" سحر اپنا لوہے کا سکیل اٹھا کر اس کے پیچھے بھاگی پر پیر میں کیل اتنی

بری طرح پیوست ہوا کہ وہ وہاں ہی بیٹھ گئی۔

یہ وہ ہی کیل تھے جو وہ دیوار میں ٹھونک رہی تھی نئی پھولوں کی ٹوکریاں لگانے کے واسطے۔

"ہاہا....ہاوہ کہتے ہیں نہ کسی کے آگے کنواں کھودو گے تو گرو گے خود ہی۔"

شہر وز نے دیوار سے جھانک کر کہا۔

"اللہ پوچھے تمہیں۔

آہ۔"

چھوٹا سا کیل اس کے پیر میں بہت بری طرح لگا تھا۔

شہر وز اس کے چہرے کے کرب کو دیکھ کر دیوار پھلانگ کر اس کے پاس آگیا۔

"درد ہو رہا ہے؟"

وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر ہمدردی سے بولا۔

سحر نے آنسوؤں سے بھری خوبصورت کالی آنکھوں کو اس کے چہرے پر ٹکائے اثبات میں سر

ہلایا۔

"مجھے بھی بہت درد ہوا تھا جب تمہارے بھائی نے میرا سر پھوڑ دیا تھا۔ یاد ہے نہ دو سال پہلے.....؟" وہ دانت پیس کر ایک ایک لفظ چبا کر بولا۔

سحر نے چونک کر پھر سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

وہاں وہ ہی غصہ اور جنون تھا جو دو سال پہلے تھا۔

وہ ویسے ہی نفرت کرتا تھا سحر سے جیسی پہلے تھی۔

یعنی دو سال نے بھی اس کو نہیں بدلا تھا۔

"تو تم مجھ سے بدلہ لینا چاہتے ہو؟"

سحر کا لہجہ دکھ سے نڈھال ہو رہا تھا۔

"ہاہا....ہا نہیں۔"

اس نے سر جھکا کر گردن گھمائے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ تو اللہ نے ہی تمہیں درد دیا اور تب بھی اللہ نے ہی تمہیں دکھایا تھا کہ ایسے ہی کسی کو نہیں پٹوایا کرتے۔ کسی کی عزت اچھالی جائے تو اپنی بھی اچھلتی ہے۔"

وہ اس کے پاؤں کا جائزہ لے رہا تھا۔

"تم ہی کہتی ہو نہ کہ اللہ پوچھے گا تو اب دیکھو اللہ نے تمہیں بھی پوچھ لیا۔ کیل بہت بری طرح سے پاؤں میں پھنس چکا ہے۔"

وہ گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے اس کے پاؤں کو نرمی سے اپنے دونوں ہاتھوں سے چھو رہا تھا۔

سحر کے وجود میں خوف کی لہر دوڑ گئی تھی بے اختیار ہی اس نے پاؤں پیچھے کو کھینچنا چاہا مگر شہروز نے سر اٹھائے گردن نفی میں ہلائی۔

"ایک منٹ کزن یار! اتنا تو یقین کر ہی سکتی ہو۔ نہیں اگر.....اگر نہیں تو پھر میں جاتا ہوں۔ یہ نہ ہو تم پھر مجھے پٹوا دو۔"

وہ ہنستے ہوئے اسے جتا رہا تھا۔

"اچھا خیر چھوڑو۔ یہ اپنی فرینڈ کو دے دینا۔"

شہروز نے اس کا پاؤں چھوڑا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنی جیبوں کو ٹٹول کر ایک ڈبہ نکالا جو گلابی گفٹ پیک میں قید تھا۔

"ک کیا ہے اس میں؟"

"وہ تم نے اس کا نمبر دیا تھا نہ تب تو ہماری بات جمی تھی۔ آج اس کا برتھ ڈے ہے تو یہ گفٹ ہے وہ تو آ نہیں سکتی تو تم دے دینا۔"

شہروز نے کہا اور پھر سے نیچے بیٹھتے ہوئے اس کے پاؤں سے کیل کھینچ دیا۔

اس نے سختی سے لب بھینچے بے اختیار ہی اس کا ہاتھ تھام لیا تھا بند پلکوں کی باڑ پھلانگ کر ایک آنسو شہروز کے سفید ہاتھ پہ گرا تھا۔

"شہروز! آخر کیا پرابلم ہے یار؟ جو بڑوں میں نفرت ہے وہ ہی تجھ میں کیوں پیدا ہو چکی ہے یار؟

کیا ہوتا ہے نفرت سے؟"

"اپنے بھائی سے کہو تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جائے۔اگر آج مجھ سے دشمنی مول نہ لی ہوتی تو اپنی نئی گاڑی میں فرنٹ سیٹ پہ بیٹھا کر ڈاکٹر کے پاس لے جاتا۔"

وہ اس کے پاؤں پہ اپنا رومال باندھ کر اٹھا اور مڑ کر اسے نہیں دیکھا پھر دیوار پھینگ گیا۔

"مجھے لگا تھا شاید تم ایسے نہیں کرو گے پر۔"

وہ لڑکھڑاتی کمرے میں داخل ہوئی اور گفٹ بیڈ پہ پھینک اوندھے منہ بیڈ پر گر گئی۔

آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

"مم مجھے برا کیوں لگ رہا ہے؟م.....میری منگنی ہو چکی ہے میں شان سے بہت محبت کرتی ہوں۔بھاڑ میں جائے وہ۔"

وہ روتے ہوئے خود کلام ہوئی

اپنا انگوٹھی والا ہاتھ دیکھ کر وہ خود کو تسلی دینے لگی پر یہ دلائل بہت کمزور نکلی۔دل میں آگ لگ چکی تھی۔

جو نجانے کتنے گھروں کو جلانے والی تھی۔

"کل اس کی لور کو یہ گفٹ دے دوں گی۔کیا ہے کھول کے دیکھ لوں؟"

سحر نے آنسوؤں کو رگڑ کر اٹھی اور گفٹ اٹھا لیا۔

الٹ پلٹ کر کے دیکھا اور پھر کچھ سوچ کر اس نے وہ گفٹ کھولا۔

"مجھے پتا ہے کہ کسی کی چیز کو بغیر اجازت کے نہیں دیکھتے پر دل نے کہا دیکھوں۔"

سامنے بہت پیاری بریسلیٹ اس کا منہ چڑا رہی تھی جس میں ایس ($) بہت خوبصورت انداز میں لکھا ہوا تھا۔

ایک لال کاغذ پر کچھ مزید لکھا گیا تھا۔

سحر نے جلدی سے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ خط کو کھولا۔

"اسلام علیکم!!

ایک خوبصورت سی لڑکی کے لیے پیار کی پہلی نشانی۔

مجھے معلوم ہے کہ تم مجھ سے بہت زیادہ ناراض ہو۔ مگر اب مزید ناراضگی مجھے نہیں چاہیے میم!

کیونکہ

آئی لو یو سو مچ۔

آپ کا صرف آپ کا شہروز خان۔"

سحر کے دل میں بہت کچھ ٹوٹا تھا جس کے شور و غل سے اس کے ہاتھ ان دونوں چیزوں کو تھام کر نہ رکھ سکے اور دونوں چیزیں اس کی گود میں گر گئیں۔

کچھ دیر یوں ہی عجیب کیفیت میں مبتلا رہنے کے بعد وہ ہوش میں آئی اور پھر سے گیفٹ پیک کیا۔

بیڈ پر چیت لیٹتے ہوئے اس نے تکیے تلے مسلسل چلاتے فون کو اٹھایا اور بنا دیکھے کال اٹینڈ کرتے ہوئے فون کان سے لگا لیا۔

"کیا ہوا کال کیوں نہیں اٹھا رہی تھی؟ شان نے فکر مندی سے سوال کیا۔

"کچھ نہیں۔ میں بعد میں بات کرتی ہوں۔" سحر نے کال کاٹ دی اور منہ سرہانے میں چھپا کر بلک بلک کر رونے لگی۔

"آئی ہیٹ یو شہروز خان! آئی ہیٹ یو سو مچ۔"

وہ بستر پہ مکے برسانے لگی۔ جیسے وہاں شہروز ہو اور وہ اسے آج مار ڈالے گی۔

دل رو رو کر بھر نہیں رہا تھا۔

"مر جاؤ سحر! تم۔"

وہ پاگل پن کا مظاہرہ کرتی اپنے ہی منہ پہ تھپڑ رسید کرنے لگی۔

رات تک وہ کمرے میں بند رہی تھی۔

روما جب اس کے پاس آئی تو اس نے دروازہ کھولا۔

"ارے روتی رہی ہو؟" اس نے اس کی سوجی اور لال آنکھوں کو دیکھتے ہوئے تشویش بھرے لہجے میں استفسار کیا۔

"نہیں تو۔"

"لگ تو رہا ہے۔ بتاؤ مجھے کیا ہوا؟"

"بولا نہ کچھ نہیں۔ اچھا وہ شہروز نے تمہارے لیے یہ دیا ہے۔"

پانی گلاس میں انڈیلتے ہوئے اس نے اشارہ سائیڈ ٹیبل کی جانب کیا۔

"سچی دکھاؤ۔ تمہیں پتہ ہے وہ بہت اچھا ہے۔ ہم کئی بار مل چکے ہیں۔

پر اس نے کبھی میرے ساتھ بد تمیزی نہیں کی۔مجھے اس کے کردار کی سچائی سے بہت محبت ہے مجھے اس سے بے پناہ محبت ہے۔"دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر وہ جنونی آواز میں بولی۔

سحر کا پانی منہ کی جانب لے جاتا ہاتھ رک گیا۔

"یہ.....یہ سب کب سے چل رہا ہے؟کب سے تم اور وہ؟"سحر نے اپنی اضطرابی کیفیت چھپا کر اطمینان سے پوچھا۔

"جب اس نے کالج میں نیا نیا ایڈمیشن لیا تو اس کا اور میرا اکثر ملن ہو جاتا تھا۔

کبھی گلی میں تو کبھی کالج سے واپس آتے جاتے۔اس کی آنکھوں میں بھی میرے لیے محبت تھی ایک دن اچانک اس کی کال آئی پھر میں نے اس کا عشق قبول کیا اور اس نے میرا۔پھر ملاقاتیں بڑھیں۔رفتہ رفتہ محبت بڑھی۔اب جب وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو گا دو چار سال بعد تو ہماری شادی ہو گی اور ہم ہمیشہ کے لیے ایک ہو جائیں گے۔

ہے نہ خوشی کی بات۔

کیسی لگ رہی ہے؟"اس نے ہاتھ اس کے سامنے لہرایا سحر جو ڈریسنگ کو سہارے کی خاطر تھامے کھڑی تھی اڑتے رنگ کے ساتھ اثبات میں سر ہلا کر رخ پھیر گئی۔

"بہت خوبصورت لگ رہا ہے۔"

وہ بہت مشکل سے بولنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اچھا میں چلتی ہوں۔"رومی اس کا جائزہ لیے بغیر چلی گئی۔

اگر اس کی غیر ہوتی حالت دیکھ لیتی تو ہلنے نہ پاتی۔

سحر نے اپنا ہاتھ اٹھا کر دیکھا جس میں شان کے نام کی انگوٹھی تھی پھر ہاتھ دل پہ رکھا تو ڈر کے پیچھے ہٹ گئی۔

میز سے ٹھکرا کر بری طرح سے وہ زمین پر گری۔

دل کی دھڑکنیں جس شخص کا نام لے رہی تھیں وہ اس کا منگیتر نہیں تھا۔

شہروز خان تھا.....

"چار زندگیاں تباہ نہیں کروں گی میں۔ میں کبھی بھی اس بات کو ظاہر نہیں کروں گی۔ جب دو سال سے نہیں کسی کو بتایا تو اب بھی نہیں کہوں گی۔"

وہ نفی میں سر ہلاتی سہارا لے کر اٹھی اور بے سود سی بیڈ پہ جا گری۔

یہ حادثہ تو اسی دن ہوا تھا جب دو سال کے لیے وہ اسے دیکھ نہ پائی لڑائی نہ کر سکی سن نہ سکی۔

بس تب یہ الہام ہوا کہ بچپن کی دوستی دشمنی سب محبت کا روپ دھار چکی ہیں۔

اور دشمنی تو تھی ہی نہیں۔

یہ تو وہ ہی لڑائیاں تھیں جو بچپن میں ہوتی تھیں۔

اور یہ اعتراف اس کے لیے قیامت برپا کر گیا تھا۔

****

زندگی رکتی نہیں کبھی کسی اک پہ
یہ تسلی میں اب اکثر دل کو دے دیتی ہوں

وہ سرک کر بیڈ سے اتری اور گردن گھما کر بیڈ کے دوسرے کونے پہ سوئے خان کو دیکھا۔

سینے تک کمبل اوڑھے وہ کروٹ کے بل سویا ہوا تھا۔

ایک چھت کے نیچے وہ دونوں ایک بیڈ کے دونوں کونوں پر سوتے تھے۔

درمیان میں رکھے کشن ان کی دوریوں کی منہ بولتے مثال تھے۔

"کیا کمی ہے مجھ میں؟"

پلٹ کر قد آدم شیشے میں خود کو دیکھتے ہوئے اس نے سوچا۔

لمبے کمر تک جاتے سلکی آبشاروں جیسے کالے سیاہ بال دائیں شانے پہ جھول رہے تھے۔

موٹی موٹی غلافی آنکھیں رونے کی بدولت سرخ ہو رہی تھیں۔

سفید رنگت میں گلابی رنگ گھل گیا تھا وہ باریک لب کچلتی کبھی آئینے میں اپنے دھان پان سے

سوگوار سراپے کو دیکھتی تو کبھی اسے جو اس سے بے نیاز سو رہا تھا۔

"تمہیں مجھے درد دے کر سکوں کی نیند کیسے آتی ہے؟

کیسے تم مجھے اس قدر اذیتوں میں مبتلا کر کے آرام سے رہتے ہو؟

میرے دل کے اتنے ٹکڑے کیوں کرتے ہو؟"

آنسو پھر سے رخساروں پر بہنے لگے تھے۔

"میری کوئی غلطی نہیں تھی۔ تم اس بات کو کیوں نہیں مانتے؟"

وہ منہ پہ ہاتھ رکھے سسکیوں کا گلا گھونٹ کر واش روم کی جانب بھاگی۔

جی بھر کے جب رو لیا تو شاور لیتی وہ باہر آئی۔

تب تک وہ کسمسا کر کمبل ایک جانب کرتا اٹھ کر بیٹھ چکا تھا۔

خمار آلودہ نگاہوں سے وہ اسے دیکھنے لگا جو بالوں کو تاول سے رگڑ کر کمر پہ ڈال کے اب آنکھوں کی سرخی چھپانے کی غرض سے کاجل لگا رہی تھی۔

"یہاں آؤ۔"

وہ اٹھ کر جانے ہی والی تھی کہ پیچھے سے اس نے پکارا۔

وہ گہری سانس خارج کرتی اس کے سامنے مودبانہ انداز میں جا کھڑی ہوئی۔

"جی۔"

نگاہیں ادھر ادھر دوڑاتے ہوئے اس نے کہا۔

"بیٹھو یہاں۔"

شرٹ کے کھلے بٹن بند کرتے ہوئے وہ تھوڑا سا پرے سرکا اور اپنی عادت کے مطابق سائیڈ ٹیبل پہ پڑی سگریٹ کی ڈبی اٹھا کر ایک سگریٹ نکالی اور لائٹر سے سلگا کر ہونٹوں میں دبائی۔

"تم یہ کیا روکھی پھیکی گھر میں منڈلاتی رہتی ہو۔

ماما تمہیں کتنی مرتبہ کہہ چکی ہیں کہ اچھے کپڑے پہن کر تیار ہو کر رہا کرو۔"

وہ لمبا کش کھینچتے ہوئے بولا۔

اسے سگریٹ کی بو بہت بری لگتی تھی مگر اب تو اسے بھی عادت سی ہو گئی تھی۔

اسے لگنے لگا تھا خان کے ساتھ ساتھ اب اسے بھی سگریٹ لگ چکی ہے۔

وہ جب بھی صبح صبح سگریٹ پیتا تو دھواں اس کی جانب بھی جاتا تھا جو پہلے پہلے اس کو بہت زیادہ تکلیف دیتا تھا مگر اب جب وہ صبح صبح اس دھواں کو اپنے اندر نہ اتارتی تو سارا دن سر درد کرتا رہا۔

دوسری معنوں میں اسے بھی سگریٹ لگ چکی تھی اور پیسی وائز سے زیادہ خطرناک ایکٹو وائز ہوتی ہے۔

"مگر اپنے نے تو نہیں کہا۔"

وہ ایک گہری سانس بھرتے ہوئے بولی۔

ساتھ بیٹھے شخص کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ اپنے ساتھ ساتھ اپنی بیوی کو بھی اس سگریٹ نامی نشے پہ لگا چکا ہے۔

"یہ پکڑو۔"

چند پل اسے گھورنے کے بعد اس نے اپنی آدھی بچی ہوئی سگریٹ اس کی جانب بڑھائی اور اٹھ کر ڈریسنگ کی جانب بڑھ گیا۔

اس نے چور نگاہوں سے پلٹ کر اسے دیکھا جو ڈریسنگ سے کچھ تلاش رہا تھا۔

"یہاں آؤ۔"

پھر سے حکم دیا گیا۔

وہ میکانکی انداز میں اٹھ کر اس کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

"ابھی یہاں بیٹھ کر میک اپ کرو اور دراز میں رکھی جیولری پہنو۔"

وہ سگریٹ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے حکمیہ انداز میں بولا۔

"مجھے نہیں کرنا۔"

"میں نے پوچھا نہیں حکم دیا ہے۔بیٹھو۔"

لہجہ قدرے سخت ہوا تھا۔

"ہر وقت پتھر ہی برساتے رہتے ہو کبھی پھول برسالو گے تو کچھ بگڑ نہیں جائے گا تمہارا۔"

وہ بس سوچ سکی تھی کیونکہ اسے اپنی گردن بہت پیاری تھی۔

بی بی کریم لگا کر فیس پاؤڈر لگا کر بلش آن سے رخساروں کو ہلکا سا ٹچ دیا۔

وہ ہنوز سینے پہ ہاتھ باندھے اسے دیکھ رہا تھا۔

"آہاں.....یہ نہیں۔"

اس نے لائٹ سی لپ اسٹک اٹھائی تو وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھا۔

دو تین لپ اسٹک چیک کرنے کے بعد گلابی رنگ کی لپ اسٹک اس کی جانب بڑھائی۔

"بہت ڈارک ہے۔"

"میں نے پوچھا نہیں ہے۔لگاؤ۔"

وہ رخ پھیر کر کر خفگی سے گویا ہوا۔

وہ مرتی کیا نہ کرتی لگانی پڑی۔

"ویری گڈ اب جاؤ یہاں سے۔"

جب وہ جیولری پہن کر شیشے کے سامنے کھڑی ہوئی تو وہ تیزی سے کہتا واش روم کی جانب بڑھ۔

"عجیب بندہ ہے۔"

وہ شانے آچکا کر وارڈروب کی جانب بڑھی۔

اس کے لیے سکائی شرٹ اور کالی نیرو جینز نکال کر بیڈ پہ رکھتے ہوئے جھک کر بیڈ کے نیچے سے شوز نکال کر اپنے سفید دوپٹے سے انہیں صاف کرتے ہوئے مسکرا کر سر ہلاتی ڈریسنگ کی جانب بڑھی۔

"ہوں.....کون سی اچھی لگے گی؟"

ہونٹ دانتوں تلے دبائے ایک آنکھ موندے وہ دراز میں ترتیب سے پڑی ریسٹ واچ کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"ہوں....یہ اچھی لگے گی۔"

اس نے ایک قیمتی ریسٹ واچ اٹھائی اور جیسے ہی پلٹی اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

وہ سینے پہ ہاتھ باندھے پیچھے ہی کھڑا تھا۔

"اوہ شیٹ.....اب کیا کروں۔"

اس نے جلدی سے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔

جہاں کچھ دیر پہلے خوشی

خوشی سے وہ اس کے کپڑے تیار کر رہی تھی اب سوائے اکتاہٹ کے وہاں کچھ بھی نہ تھا۔

گھڑی بیڈ پہ اچھال کر وہ وہاں سے ایک جھٹکے میں پلٹی اور یہ جا وہ جا ہوئی۔

شادی کے دوسرے ہی دن اس نے اپنے کانوں سے سنا تھا۔

"مجھے کوئی شوق نہیں تھا اس شخص سے شادی کا، اور اگر اس نے مجھے اپنا کوئی بھی کام کرنے کو کہا تو میں نے کھری کھری سنا دیا کرنی۔"

اور اس دن سے ہی وہ اپنے سارے کام اس سے کروانے لگا تھا۔

مگر آج جو اس نے دیکھا تھا وہ اسے حیرانی اور خوش فہمی میں مبتلا کر گیا مگر دوسرے ہی پل اس کی یہ خوش فہمی دور ہو گئی کہ وہ اس کی خاطر کچھ بھی خوشی خوشی نہیں کر سکتی۔

زبردستی کے رشتے میں کہاں خوشی ہوتی ہے؟

****

کئی دن وہ یوں ہی برا حال بنائے کمرے میں بند رہی۔

کوثر بیگم کھانا دینے آتیں اور اسے باہر آنے پہ مجبور کرتیں۔

پر وہ باہر نہیں نکلنا چاہتی تھی۔

یونیورسٹی سے واپسی پہ کبھی شہروز کی جھلک گلی میں نظر آ جاتی تو وہ بہت سارے آنسو اپنے اندر اتار کر سر جھکائے گاڑی کا شیشہ چڑھا لیتی۔

شہروز دیوار پہ کھڑا اسے ٹارچر کرتا رہتا پر جب وہ اسے خالی خالی نگاہوں سے دیکھتی رہتی تو وہ اکتا کر چلا جاتا۔

وہ نہ ٹائم پہ کھا رہی تھی نہ پی رہی تھی۔

آج اتوار تھا اور وہ سارا دن کمرے میں بند روتی رہی یکطرفہ محبت کی آگ میں جلتی رہی۔

کھانا کھائے بنا ہی تڑپ تڑپ کر سو گئی۔

آج اگر اس کی یہ حالت تھی تو زمہ دار بڑے تھے۔

اگر دونوں گھروں میں سب ٹھیک ہوتا تو آج شان کی جگہ شہروز ہوتا۔

کتنا گہرا رشتہ تھا ان دونوں کا۔

خالہ اور دوسری جانب چاچا تایا۔

مگر خاندانی بے بنیاد کی لڑائیاں ان کی زندگیوں کو بہت متاثر کر چکی تھیں۔

وہ اکثر بس یہ ہی سوچتی رہتی تھی۔

اگلی صبح کوثر بیگم اس کے کمرے میں اسے بیدار کرنے گئی تھیں۔

وگرنہ سحر فجر کے وقت سب کو بیدار کیا کرتی تھی۔

"اٹھ جاؤ بیٹا!

یونی نہیں جانا کیا میری جان۔"

ماما نے پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا جاگ تو وہ پہلے ہی رہی تھی۔

"کیا ہوا تمہیں تو بخار ہے..."

ماں نے ماتھے پہ ہاتھ رکھا تو وہ آگ کی طرح جل رہی تھی۔

"نہیں ماں! یہ بخار نہیں ہے....."

وہ وحشت زدہ قہقہہ لگائے آنکھیں موند گئی۔

"ی یہ وہ نفرت کی آگ ہے ج جوان دونوں گھروں میں لگی ہوئی ہے۔

اس نے مجھے جلا دیا ہے۔آپ نے مجھے جلا دیا ماں!

اس نفرت نے مجھے جلا دیا۔"

سحر مشکل سے اٹھی آنسو نے جلتی آنکھوں سے بہنا شروع کیا تھا۔

ماں کا رنگ اڑ گیا۔اب انہیں سمجھ آئی تھی اصل بات۔

وہ سحر کی سرخ آنکھیں اور بکھرے بال دیکھ کر ڈر گئی تھیں۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو بیٹا؟"

"سچ کہہ رہی ہوں ماں! آپ لوگوں کی بے وجہ کی نفرت نے مجھے جلا دیا ہے۔

میں جل چکی ہوں۔

پتہ ہے اس گھر میں رہنے والے لڑکے سے میں نے بہت کوشش کی کہ نفرت کروں آپ لوگوں کی طرح پر دل.....دل۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے بالوں کو جکڑ لیا وہ ہوش میں ہوتے ہوئے بھی نہیں تھی۔

"دل نے مجھے ہی مار دیا اس نفرت نے مجھے ہی جلا دیا۔

شدت سے چاہتی ہوں میں اسے۔

بہت محبت کرتی ہوں میں شہروز سے یہ منگنی میرے دل کو نہیں روک سکتی۔میں سانس لیتی ہوں تو شہروز پہلے یاد آتا ہے۔م مر جاؤں گی میں اس کے بنا ماں! مر جاؤں گی میں۔"

وہ لڑکھڑا کر بیڈ سے اٹھی تھی اور زمین بوس ہو گئی۔

ماما جو خود سے آنکھیں پھیلائے اسے دیکھ رہی تھیں ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

"ماں! میں شہروز سے محبت کرتی ہوں وہ میری رگ رگ میں بس چکا ہے۔ پلیز ماں! مجھے شہروز مانگ کے لادیں پلیز ماما! پلیز...."

وہ ان کے پیروں سے لپٹی تڑپ رہی تھی اور اس کا جنون یوں تھا جیسے چھوٹے بچے کچھ مانگتے ہیں اور وہ اگر نہ ملی تو پھر رو رو کر گھر سر پہ اٹھالیں گے۔

"کیا بکواس کر رہی ہو سحری! ہوش میں تو ہو؟

منگنی ہو چکی ہے تمہاری۔ ہماری ناک مت کٹوانا۔""

علی خان جو کمرے میں اسکا حال دریافت کرنے آیا تھا یہ سب سن کر آگ بگولہ ہو گیا۔

اسے ماما کے قدموں سے اٹھا کر زور کا تھپڑ اس کی کومل رخسار کو پیش کیا۔

"بھیا! میں محبت کرتی ہوں شہروز سے بکواس نہیں کر رہی۔" سحر چلائی تھی۔

"منہ بند کرو۔ اب ایک لفظ مت کہنا۔ ماں اور بھائی کے سامنے اپنے عشق کا اظہار کرتے ہوئے شرم نہیں آئی؟

تمیز نام کی چیز نہیں ہے تم میں۔" علی نے مزید ایک اور تھپڑ رسید کر دیا تھا۔

وہ بے سود ہو میز پر گری اور ایک آہ کے ساتھ ہوش کی دنیا سے ناطہ توڑ بے ہوشی کی دنیا میں اترنے لگی۔

"یہ کیا کیا تم نے علی!

سحر! آنکھیں کھولو بیٹا۔" ماں نے آگے بڑھ کر اس کا منہ تھپکا۔

علی ہوش میں آتے ہی بالوں کو مٹھی میں جکڑ آنکھیں میچ گیا پھر اگلے ہی پل وہ اسے اٹھا کر باہر بھاگا اپنے کمرے سے نکل رہے شہروز کے قدم رک گئے۔ سحر نے مشکل سے آنکھوں کو کھول کے رکھے ہوئے تھی اسے عجیب نظروں سے دیکھا تھا۔اور مبہم سا مسکرادی۔

ایک مسکراہٹ میں کتنا کچھ تھا شہروز سمجھ نہیں سکا۔ہاتھ بڑھا تھا سحر کی طرف پر پھر وہ نیچے بیٹھی حمیدہ بیگم کو دیکھ کر رک گیا۔ایک نظر سر اٹھا کر نیچے جاتے علی کی باہوں میں ہوش کھو چکی سحر کو دیکھا اور نیچے چلا گیا۔

وہ رومی سے ملنے جارہا تھا تو کیوں کر اپنا وقت بر باد کرتا؟

"ادھر کیا چل رہا ہے؟

مر گئی کیا اس منحوس کی بچی۔

مر جاتی تو دو نفل پڑھتی، پر مرنے والی کہاں ہے۔ماں کی طرح ناگن بنی بیٹھی رہے گی۔"

اپنی والدہ کی بات نے شہروز کے تیز قدم روک دیئے تھے۔

وہ افسردگی سے ماں کو دیکھتا وہاں سے ہٹ گیا۔

****

سحر ہسپتال میں داخل ہو چکی تھی۔

کئی دونوں کا بخار ٹائفائیڈ میں بدل گیا تھا۔ باہر کا بخار تو سب دیکھ رہے تھے پر اندر کی حالت ڈاکٹرز بھی کہاں سمجھے تھے۔

ایک ہفتہ ہو گیا تھا پر وہ نہ کچھ بولی تھی نہ ہی اس کی طعبیت میں سدھار آیا تھا۔

"میں اس بغیرت کو مار دوں گا سحری کی یہ حالت اس کی وجہ سے ہے۔"

علی نے ماں سے کہا اور مٹھیاں بھینچے کمرے سے نکلنے لگا۔

"روکو بھیا!" سحر نے ہفتے میں پہلی مرتبہ زبان کھولی تھی۔

"بھیا! اس نے کچھ نہیں کیا وہ بھی نفرت کرتا ہے مجھ سے آپ سے ماں سے۔ جیسے آپ لوگ ان لوگوں سے کرتے ہیں۔

پر میں اس سے محبت کرتی ہوں۔

آپ وعدہ کریں اسے ہاتھ بھی نہیں لگائیں گے۔" سحر نے آنکھیں بند کر لیں جیسے وہ نظریں چرا رہی تھی۔

"تو تم بھی وعدہ کرو اس سے کبھی نہیں ملو گی، کبھی بات نہیں کرو گی اور دل سے خیال بھی نکال دو گی۔ نہیں تو جانتی ہو میں کیا کر سکتا ہوں۔

پہلے سر پھوڑا تھا اب کی مرتبہ کاٹ بھی سکتا ہوں۔"

علی نے دھمکی دی سحر اپنے بھائی کو دیکھتی رہی پھر مرے مرے لفظ ادا کیے

"ٹھیک ہے بھیا! آپ لوگوں کی نفرت جیت گئی، بے وجہ کی نفرت جیت گئی۔ اور میری محبت میدان میں اترے بنا ہی ہار گئی۔"

سحر نے آنسوں کو اندر اتارتے ہوئے کہا۔

ماں سے اس کا یہ حال دیکھا نہیں جا رہا تھا تبھی وہ رخ پھیر گئیں۔

"گڈ گرل چلو ریسٹ کرو اب۔" علی نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا اور پلٹ گیا۔

"آپ کچھ نہیں کہیں گے نہ اسے؟

میں کبھی اس کو نہیں بتاؤں گی اپنے دل کا حال۔"اس سے پہلے وہ کچھ اور بولتی شان اندر داخل ہوا۔اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ ہو رہا تھا وہ سب سن چکا ہے۔

"علی بھائی! میں سحر سے دو منٹ اکیلے بات کر سکتا ہوں؟"شان نے سنجیدگی سے کہا تو وہ اور ماں باہر چلے گئے۔

"سحر! کب سے چل رہا ہے یہ سب؟"

شان اپنے کوٹ کے بٹن کھول کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کچھ نہیں چل رہا۔قسم سے میرے دل میں ہے سب کچھ اسے تو علم بھی نہیں ہے اور میں اب سب بھول جاؤں گی پلیز بھیا کو سمجھاؤ اسے کچھ نہ کہیں پلیز۔"سحر نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

عشق کے سامنے وہ ہار چکی تھی۔

"ٹھیک ہے۔"شان سنجیدہ چہرہ لیے اٹھ کر چلا گیا۔

"تمہاری ناراضگی نے مجھے جلا دیا۔تمہارے غصے نے میری روح تک کو چھلنی کر دیا اور....اور میں تیرے درد کی زنجیروں میں بندھ گئی۔شاید ان زنجیروں سے تم مجھے کبھی آزاد نہ کرو گے۔

شہروز خان! میں نے ہار مان لی۔"

اس نے آنکھیں موند لیں۔

وہ بہت تھک چکی تھی جیسے لمبے سفر سے آئی ہو۔

مگر یہ ایسا سفر تھا جس کے لیے اس نے ابھی خود کو تیار ہی کیا تھا کہ سفر نصیب ہی نہ ہوا۔

کچھ دونوں تک وہ ڈسچارج ہو گئی تھی۔ بخار اتر گیا تھا۔

مگر وہ جینا بھول گئی تھی۔

سرد لہجہ اور بے تاثر چہرہ لیے وہ پھرتی رہتی۔

ماں کے کلیجے میں اس کی یہ حالت دیکھ ہول اٹھتے تھے۔

ایک دن وہ کمرے میں روما کے ساتھ بیٹھی تھی جب شہروز دیوار پھلانگ کر اس کے کمرے میں آیا۔

نجانے کتنے عرصے بعد وہ یہاں آیا تھا۔

مگر وہ اس کی آمد نہیں دیکھنا چاہتی۔ جانتی تھی وہ کس کے لیے آیا ہے۔ زور سے آنکھیں میچ کر درد کو اندر اتارا گیا۔

"اسلام و علیکم!" وہ سینے پر ہاتھ باندھے دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا ہو گیا۔

سحر کو معلوم تھا وہ اس کے لئے نہیں رومی کے لیے آیا تھا۔

"ہائے۔ کیسے ہو؟"

وہ چہکتے ہوئے اٹھ کر اس کے پاس گئی اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا

سحر کے سینے میں آگ سی مچ گئی وہ آنکھوں کو میچے اٹھ کر تیزی سے واشروم کی جانب بڑھ گئی۔

برداشت کہاں ہوتا ہے اپنے محبوب کو کسی اور کے ساتھ یوں دیکھ کر۔

تھوڑی دیر بعد وہ چلا گیا تو سحر باہر آ کر بے دم سی بیڈ پر گر سی گئی۔

"سحر! کسی ہے یہ؟"

وہ ہاتھ میں پہنی رنگ اس کے سامنے کر کے بولی جو شاید ابھی ابھی شہروز اس کے ہاتھ میں پہنا کے گیا تھا۔

"اچھی ہے مبارک ہو۔"

سحر کے آنسوں بہنے لگے تھے۔

بس صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا مزید ضبط کرتی تو گھٹ گھٹ کر مر جاتی۔

"تم رو کیوں رہی ہو؟" رومی نے حیرانگی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں تم جاؤ۔"

سحر نے اٹھتے ہوئے اسے گلے لگا لیا اور روتے ہوئے بولی۔

"سحر! تم شہروز سے محبت کرتی ہو نا؟"

اس نے اطمینان سے استفسار کیا

"نن نہیں۔" سحر نے رخ پھیر کر بے دردی سے آنسوؤں کو رگڑا اور اس کی جانب پلٹ کر مسکرا دی۔

"سحر! وہ انگلینڈ جا رہا ہے۔ سکالر شیپ ملی ہے اسے۔" رومی نے افسردگی سے سر جھکا کر کہا۔

سحر کو لگا بچی کچی سانسیں بھی رخصت ہو گئی ہوں۔

یعنی اب وہ اسے دیکھنے، سننے سے بھی محروم رہے گی؟

"سحر! تم اگر کہو تو میں اسے بھول جاؤں گی۔ کبھی سوچوں گی بھی نہیں۔ نکاح کے بارے میں بھی نہیں۔" اسنے پیار سے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"نن نہیں رومی!

میں اس سے محبت نہیں کرتی۔

تت تم جاؤ خوش رہو۔

میں سونے لگی ہوں سس سر میں درد ہے۔ایم سوری۔"سحر نے اسے پکڑ کر باہر نکال کر دروازہ بند کر دیا۔

سر دروازے سے لگائے منہ پہ ہاتھ رکھے وہ بلکتی دروازے کے ساتھ گرتی چلی گئی۔

****

اس کے دن کتنے بور گزر رہے تھے۔

وہ ہر وقت آفس ہوتا تو کبھی

"ہر وقت ایسی منحوس صورت بنائے گھر میں مت منڈلاتی رہا کرو۔"

وہ جو ڈرائنگ روم میں کھانا لگا کر واپس پلٹ رہی تھی سامنے سے آتی ساس سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

ہر بار کی طرح اس مرتبہ بھی انہوں نے اس بچاری کی کلاس لے ڈالی۔

"ایم سوری ماما!"

وہ سر جھکائے دوپٹہ انگلی پہ لپیٹے سیڑھیاں اترتی چلی گئی۔

وہ نفی میں سر ہلاتی آگے بڑھ گئیں۔

"ماما!....."

وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھیں کہ وہ ڈرائنگ روم سے نکل کر سامنے آیا۔

"کیا ہوا بیٹا؟"

"آپ اس سے کہیں کچھ ڈھنگ کا پہن کر ریڈی ہو جائے میرے دوست آرہے ہیں۔مجھے شرمندگی محسوس ہوتی ہے جب وہ ایسی شکل بنائے پھرتی رہتی ہے۔"

وہ پیشانی مسلتے ہوئے بولا۔

"کب تک آرہے ہیں؟"

"بس وہ لوگ نکل چکے ہیں۔"

گھڑی پہ ٹائم دیکھتے ہوئے وہ واپس پلٹنے لگا۔

"تو پھر ابھی بہت ٹائم ہے تم جاؤ جا کر اس کو کہو مجھے کوئی شوق نہیں تمہاری بیوی سے بات کرنا کا۔"

انہوں نے نخوت سے گردن گھما کر ہال میں کھڑی اس لڑکی کو دیکھا اور رخ پھیر کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔

"کیا مصیبت ہے یار....."

"اے لڑکی....."

ریلنگ پہ ہاتھ ٹکائے اس نے گردن نیچے جھکائے اسے سخت لہجے میں پکارا۔

اس نے پلٹ کر دیکھا۔

"اوپر آؤ۔"

وہ اسے پکارتے ہوئے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

"کاش آپ مجھ سے محبت کرتے ہوتے۔

مگر میرے نصیب میں آپ کی محبت کہاں۔"

ریلنگ پہ ہاتھ رکھے وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گئی۔

کیونکہ اگر جلد نہ پہنچتی تو وہ پھر سے غصہ ہوتا اور شاید وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ شخص اس سے ناراض ہو جائے۔

"جی حکم کریں؟"

کٹیلے لہجے میں وہ کہتے ہوئے نہ چاہتے ہوئے بھی ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ سجا چکی تھی۔

"تم سمجھتی کیا ہو خود کو۔"

وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھا اور اسے شانوں سے دبوچ کر اپنی جانب کھینچا وہ اس کے سینے سے جا ٹکرائی تھی۔

"آپ کی بیوی۔ آپ کی جوگن۔"

وہ اس کی پیشانی پہ بکھرے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے شرما کر بولی۔

اس کی سکڑی ہوئی نگاہیں ہنوز اس معصوم چہرے والی نازک سی لڑکی پہ اٹکی تھیں۔

کچھ یاد آتے ہی اس کا دماغ گھوم گیا۔

"زیادہ اوور اسمارٹ مت بنو۔ جتنی تم میری دیوانی ہو میں بہت اچھے سے جانتا ہوں۔

یہ دھوکہ تم کسی اور کو دینا۔"

ایک جھٹکے سے اسے خود سے دور کرتا وہ چلایا تھا۔

"کب تک اس بات کو جھٹلاؤ گے ؟"

"میرے دوست آرہے ہیں ایسی منحوس شکل رکھنی ہے تو کمرے سے باہر مت نکلنا۔"

وہ بالوں کو درست کرتا اس کی بات اگنور کرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

کبھی کبھی تو وہ سوچتی تھی کہ اسے چھوڑ کر چلی جائے مگر نہیں.....

یہ ممکن ہی نہیں تھا وہ اسے بہت مشکل سے تو حاصل ہوا تھا۔

اور وہ اسے چھوڑ کر جاتی تو کہاں جاتی ؟

جہاں بھی جاتی وہ شخص اس کے دل سے کبھی نکلنا تو نہیں تھا۔

زخمی سی مسکراہٹ وہ اٹھی اور دروازہ بند کر کے بیڈ پہ منہ کے بل گرتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"اتنی بدگمانیاں پیدا کر رکھی ہیں آپ نے کہ میرے لیے محبت کی جگہ آپ کے پاس ذرا سی بھی نہیں ہے۔"

وہ اس کی تصویر سے شکوہ گو تھی۔

کتنی ٹھاٹھ سے وہ بیٹھا مسکرا رہا تھا۔

یہ وہ مسکراہٹ تھی جو اس نے کبھی بھی اپنے شوہر کے چہرے پر اپنے لیے نہیں دیکھی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد ڈرائنگ روم سے گفتگو کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے کسی کے لیے خود کو سجانے کا۔میرے سارے ہار شنگار آپ کے لیے ہی تو ہیں۔"

وہ کچھ دیر بیٹھی رہی پھر واش روم جا گھسی۔

اچھے سے شاور لے کر وہ باہر نکلی اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا بیٹھی۔

دل سے تیار ہونے کے بعد اس نے جیولری پہنی اور دوپٹہ شانے پہ درست کرتی بالوں میں ہاتھ چلا کر دائیں شانے پہ ڈالتے ہوئے مبہم سا مسکرا دی۔

مگر اب یہ مسکراہٹ بہت ہی بے جان ہوتی جا رہی تھی۔

سر نفی میں جھٹک کر اس نے دروازے کی جانب قدم بڑھائے کیونکہ اس کے دوست جا چکے تھے۔

"بیٹا تم تو اس کی بہترین دوست ہو سمجھاؤ اس بیوقوف کو کہ یہ دوسری شادی کر لے۔کم از کم ہماری نسل تو بڑھے۔"

یہ وہ لفظ تھے جنہوں نے اس نازک سے وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔

ساتھ والے کمرے کے دروازے کے وسط میں کھڑی بڑی بیگم کسی لڑکی سے کہہ رہی تھی۔

"یہ حویلی بچوں کی قلقاریوں کی آوازیں سننے کو ترس رہی ہے۔میں اپنے پوتے اٹھنے کے لیے کتنی بے تاب ہوں۔

مگر یہ تو میری سنتا ہی نہیں ہے۔پتہ نہیں کیا رکھا ہے اس لڑکی میں جو اسے اولاد نہیں دے سکتی۔"

آج سے پہلے اسے اپنے قدم یوں لڑکھڑاتے محسوس نہیں ہوئے تھے۔

بوجھل سر اور دھندلاتی نگاہ کے ساتھ وہ دروازہ بند کر کے واپس پلٹ گئی۔

"کیسے دوں میں آپ کو وارث؟"

کھوئے کھوئے انداز میں وہ نہ جانے کس سے سوال کر رہی تھی۔

"اپنے بیٹے سے کہیں کہ وہ آپ کو وارث دے میری کیا غلطی ہے؟"

وہ چلا چلا کر کہنا چاہتی تھی۔

مگر زبان خاموش تھی۔

"دروازہ کھولو۔"

وہ دھڑ دھڑ دروازے کے بجنے پہ بری طرح چونکی، چیخ بلند ہوتی ہوتی رہ گئی۔

چند پل خالی خالی نگاہوں سے بند دروازے کو دیکھنے کے بعد وہ بوجھل قدموں سے اٹھی اور

دروازے کی جانب بڑھی۔

دروازہ کھلتے ہی وہ سامنے آیا تھا۔

ایک ہاتھ دیوار کے بڑھے ہوئے حصے پہ ٹکائے وہ اپنے پیروں کو گھور رہا تھا۔

سر اٹھا کر جب اس نے اسے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔

دونوں ہاتھوں کو دروازے پر ٹکائے وہ سر جھکا کر کھڑی تھی۔

اس کا سوگوار حسن اور لمبی پلکوں پہ چمکتے آنسو اس شخص کی پیشانی پہ بل نمایاں کر گئے۔

"ہر وقت روتی رہتی ہو آخر پرابلم کیا ہے؟"

اس نے اپنے مخصوص انداز سے استفسار کیا تھا۔

پر شکوہ نگاہ اس پہ ڈال کر وہ پھر سے سر جھکا گئی۔

"خیر جلدی سے نیچے آجاؤ۔ایک پارٹی میں جانا ہے۔"

وہ وہاں سے ہی پلٹ گیا تھا۔

جس کی خاطر وہ اتنا سجی دھجی تھی اس نے تو آنکھ بھر کے بھی نہ دیکھا تھا۔

دروازے پہ مکا برسا کر وہ پلٹی اور سارا ہار شنگار تباہ برباد کرتی سادہ سا کالا شلوار قمیض زیب تن کر کے بالوں کو اونچی ٹیل پونی میں قید کرتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

پورا راستہ خاموشی سے کٹ گیا۔

اسکول میں پارٹی تھی۔

اور وہ وہاں جا کر بہت خوش ہوئی تھی بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے۔

وہ اسے نوٹ کرتا رہا تھا۔

چھوٹے چھوٹے بچوں کو پیار کرتے ہوئے اس کے چہرے پر کتنے ہی رنگ آجا رہے تھے۔

واپسی پر وہ بار بار اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"کچھ کہنا چاہتی ہو؟"

مین روڈ پہ گاڑی دوڑاتے ہوئے اس نے استفسار کیا۔

"ہوں.....وہ۔"

وہ کہتے کہتے خاموش ہوئی۔

"مجھے بچہ چاہیے۔"

آنکھیں موندے وہ تیزی سے کہہ گئی۔

"واٹ؟"

"ہوں پلیز خان.....مجھے ماں جیسے احساس کو جاننا ہے۔پلیز مجھے بچہ چاہیے....."

اس سے پہلے کہ وہ کچھ مزید کہتی اس کا ہاتھ ہوا میں گھوما اور اس کی نازک رخسار پہ آپڑا۔

"اپنے شوہر سے بچہ مانگ رہی ہوں۔بوائے فرینڈ....."

اس سے پہلے کہ وہ کچھ مزید کہتی خان کا ہاتھ اس کے بالوں کو جکڑ چکا تھا۔

"پہلے اس قابل تو ہو جاؤ۔شرم نہیں آئی یہ بات کہتے ہوئے۔"

اس نے جواب ہی ایسا دیا کہ وہ رخسار پہ ہاتھ رکھے آنسوؤں سے بھری نگاہوں میں بے یقینی لیے اسے دیکھتی رہ گئی۔

اس حادثے کے بعد وہ بہت خاموش ہو چکی تھی۔

اور اس کی خاموشی سے یہاں فرق بھی کسی کو نہیں پڑتا تھا۔

****

اگلے دن شہروز کی فلائٹ تھی۔

شان، شہروز سے ملنے آیا تھا وہ کیا سارا خاندان موجود تھا۔

ان لوگوں کی جانب بھی بلاوا بھیجا گیا۔

کتنے سالوں بعد وہ یہاں اس گھر میں آئی تھی عجیب سی جھجھک محسوس ہو رہی تھی۔

ہر جانب چہل پہل تھی۔

وہ ایک کونے میں بیٹھی تھی جب شہروز اپنے دوستوں کے ساتھ سیڑھیاں اترتا اسے دکھائی دیا۔

اس کی حیران نگاہیں اس پہ ہی جم گئی تھیں۔

وہ کتنا خوش تھا۔

کالے رنگ کا کرتہ پاجامہ زیب تن کیے وہ مزید پرکشش لگ رہا تھا۔

اس پہ قیامت کہ گلابی ہونٹوں پر مسکراہٹ اور چھوٹی چھوٹی کالی وسنہری مونچھیں اس کی شخصیت کو مزید نکھار رہی تھیں۔

وہ جب اس کے سراپے میں کھوئی ہوئی تھی تو کئی نظریں اس کے سوگوار حسن کو دیکھ رہی تھیں۔

کالے جوڑے میں تمام تر معصومیت اور گلابی پن چہرے پہ لیے خاموش نگاہوں کے ساتھ وہ حسن کی خاموش مجسمہ لگ رہی تھی۔

ساکت لمبی پلکیں ایک پل کو بھی نہیں جھکی تھیں۔

نہ چاہتے ہوئے بھی وہ انہماک سی شہروز کو دیکھ رہی تھی۔

"سحر پتر! جا اوپر شہروز کے کمرے کے ساتھ والے کمرے میں فروٹ پڑا ہے وہ تو لے آ جلدی سے۔"

وہ اپنی خالہ کی آواز پہ چونکی تھی۔

اتنی مٹھاس بھری آواز پہ اس نے سر اٹھا کر جب انہیں دیکھا تو معلوم ہوا کہ چہرے پہ تو کوئی میٹھاس نہیں ہے۔

صرف اسے وہاں سے ہٹانا تھا۔

"جی خالہ!"

وہ دوپٹہ شانے پہ سنبھالتی مردہ سی مسکان لیے سیڑھوں کی جانب بڑھی۔

وہ شہروز کے پاس سے گزری تھی جو سیڑھوں سے کچھ فاصلے پر کھڑا فون پہ کسی سے بات کر رہا تھا۔

کمرے میں جا کر فروٹ کا تھال اٹھا کر وہ جیسے ہی پلٹی پیچھے کھڑے شہروز سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

خوف زدہ آنکھیں اس کی سنجیدہ نگاہوں میں گاڑھے وہ دو قدم پیچھے ہٹی اور پھر نظریں جھکائے اس کے پاس سے گزرنے لگی۔

"میں جا رہا ہوں۔"

اس کی آواز نرم تھی سحر کو لگا وہ مزید نہیں ہل سکے گی۔

وہ دونوں بیک وقت ایک دوسرے کی جانب پلٹے تھے۔

"تو میں تمہیں روک نہیں سکتی۔اب یہ مت کہہ دینا شہروز خان!

کیونکہ میں تمہیں روکنا بھی نہیں چاہتی...."

اور وہ پلٹ کر ہموار لہجے میں کہتی وہاں سے چلی گئی۔

وہ جب تک خالہ کے گھر رہی چپ چاپ ایک کونے میں بیٹھی رہی۔

ابھی لوگ کھانا کھا رہے تھے کہ وہ ماں سے چابی لے کر اپنے گھر چلی گئی۔

دعوت ختم ہوئی تو شان اس کو تلاش کرتے ہوئے وہاں آیا۔

"شان! آپ سے ایک مدد چاہیے پلیز۔"

وہ اس کی جانب بڑھتے ہوئے بے تابی سے گویا ہوئی۔

"معلوم ہے مجھے۔ چلو جلدی کرو فلائٹ نکل جائے گی اس کی۔"

شان نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے باہر کی جانب قدم بڑھایا۔

"تھینک یو۔ میں یہ احسان کبھی نہیں بھول پاؤں گی۔"

وہ اس کو الوداع کہنے کے حق میں نہیں تھی مگر دل تو سب کرواتا ہے جو اس کو اچھا لگے۔

ساری راہ سحر دانتوں سے ناخنوں کو کاٹتی آنسوؤں کو رگڑ رگڑ کر روکتی اور دھڑکتے دل کو قابو میں کرنے کی کوشش کرتی گئی۔

ریش ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ لوگ ملتان ایئرپورٹ پہنچے تھے۔

"شہروز!

شہروز خان تم ایسے نہیں جا سکتے۔"

وہ گاڑی سے بھاگ کر اتری تھی اور ایئرپورٹ کے داخلی دروازے کی جانب بڑھی۔

"ریلکس سحر! وہ دیکھو سامنے ہی تو ہے۔" شان نے ایک طرف اشارہ کیا جہاں شہروز پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر کھڑا ایک ہاتھ سے فون پکڑے ہوئے تھا۔

سحر بے اختیار اس کی طرف بڑھی تھی۔

وہ جہاں کھڑا تھا وہاں چاچا یا کوئی دوسرا شخص موجود نہیں تھا۔

"شش شہروز!" اس نے اپنا کانپتا ہاتھ اس کے شانے پر رکھا۔

اس نے گردن گھما کر ایک نظر اس کے ہاتھ کو دیکھا اور پھر اس کے چہرے کو۔

سحر ان ہی کالے کپڑوں میں ملبوس تھی۔ دوپٹہ گلے میں آ گیا تھا۔

اونچی ٹیل پونی سے بال نکلے ہوئے تھے دو لٹیں دونوں طرف رخساروں کے گرد گری ہوئی تھیں۔

آنکھیں سرخ اور ناک بھی رونے کی وجہ سے کافی حد تک سرخ ہو چکی تھی۔

وہ سحر تو لگ ہی نہیں رہی تھی۔

"جی؟" شہروز کو کچھ سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا بولے۔ وہی حال اس کا تھا۔

"تم تم کیوں جا رہے ہو روک جاؤ نہ پلیز شہروز!

میں کبھی تمہیں تنگ نہیں کروں گی۔"

سحر بس سوچ سکی تھی کیونکہ وہ اسے یہ بات کہہ نہیں سکتی تھی۔

ایک مزید آنسو لڑھکا اس کے ڈوپٹے میں جذب ہو گیا وہ اپنے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ کر سسکیاں روکنے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔ شہروز بے بسی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

اسے امید ہی کب تھی سحر خان سے کہ وہ یوں بھی اس کے پیچھے آئے گی۔

"رو کیوں رہی ہو برداشت نہیں ہو رہا کہ میں تم سے آگے جا رہا ہوں۔"

شہروز نے کرخت لہجے میں ڈپٹ کر کہتے ہوئے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائی۔

کیونکہ علی خان اور تایا، چاچا یہاں ہی تھے۔

"ن نہیں شہروز! آپ جاؤ۔"

اس کا ہاتھ اپنے گلے پہ گیا ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھا اور پھر جلدی سے گلے سے لاکٹ اتار کر شہروز کا ہاتھ پکڑ اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

"تم نے کہا تھا دو قدم کا فاصلہ بھی تہہ کر لو گے۔ مگر تم تو بہت آگے گزر گئے ہو خان!"

وہ شکوہ کناں تھی۔

"مگر مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں۔

اللہ کی امان۔" سحر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتی پھر پلٹ گئی۔

وہ اس کی باتوں میں ایسا الجھا کہ جب ہوش آیا تو پتہ چلا وہ اس سے بہت دور جا چکی تھی۔

اضطرابی کیفیت میں منہ کے زاویے بگاڑے اس نے لاکٹ کو پھینکنا چاہا مگر جیسے ہی نظر بہت خوبصورت باریک لفظوں میں لکھی گئی آیت الکرسی پہ پڑی تو اس نے جلدی سے مٹھی بھینچ لیں۔

نظریں ایک مرتبہ پھر سے سامنے اٹھی تھیں وہ گاڑی میں بیٹھ رہی تھی۔

وہ الجھا الجھا سا دائیں جانب بڑھ گیا۔

"اس کا یہ حال....؟

میں نے کبھی اس کا ایک بال ادھر سے ادھر نہیں دیکھا اور آج....."

جہاز میں اپنی نشست سنبھالتے ہوئے وہ پریشانی کے عالم میں نیچے دیکھ رہا تھا۔ زمین سے کافی اوپر آ چکا تھا۔

"یا اللہ میرا دل کیوں بے چین ہو رہا ہے؟"

اس نے لب کچلتے ہوئے ٹائی کی نٹ ڈھیلی کی، سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا۔ دل کو چین کیسے ملتا وہ تو کہیں اور جگہ الجھا تھا۔

وہ اپنے خوابوں کی منزل کو چھونے والا تھا اس وقت دل کی نادانیوں کے چکروں میں الجھ کر اپنی منزل کی راہ سے قدم نہیں ہٹا سکتا تھا۔

****

وقت کا پہیہ اسی طرح ہی چلتا گیا۔

اِدھر حمیدہ گردن کو اکڑائے گھومتی تو اُدھر کوثر اب بس منہ ہی منہ میں صلواتیں سنا دیتیں۔

سب کی زندگی جیسے مصروف تھی اس سے بھی زیادہ مصروف ہو گئی تھی۔

پر سحر درد کی زنجیروں میں ایسی جکڑی گئی کہ ان سے آزاد ہونے کی موہوم سی بھی امید نہ رکھی اور ناممکن کوشش بھی سرانجام نہ دی۔

یہ ایسی زنجیریں بنتی جا رہی تھیں جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتی تھیں۔

یونیورسٹی میں بھی وہ الگ تھلگ بیٹھی رہتی روما اس کے پاس آکر باتیں کرنے لگتی تو سحر اس کا منہ دیکھنے لگتی۔

آج کل شان اور اس کی شادی کی بات چل رہی تھی۔ وہ اس سے مزید پریشان رہنے لگی۔

"میں مرنا چاہتی ہوں۔

میرا جینے کو بلکل بھی دل نہیں مانتا۔

اس دنیا میں میرا دل اب کبھی نہیں لگے گا۔

میں وہاں ہی رکی ہوئی ہوں جہاں چار سال....."

وہ کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔

روما سے وہ یہ سب نہیں کہنا چاہتی۔

اسی پل اسے یاد آیا کہ وہ شہروز کی محبت کے سامنے اپنے دل میں دفن محبت کو بیاں کرنے والی ہے

"کیوں؟

اب تمہیں کیا ہو گیا تمہارا شان تو تمہارے پاس ہے، اور ایک ہفتے بعد نکاح تمہارا۔

میرا شہروز تو بہت دور ہے مرنا تو مجھے چاہیے۔"

روما نے ٹھنڈی آہ بھری تھی اور پھر پلٹ کر اس کی جانب دیکھا۔

"اچھا وہ تمہارے نکاح میں شریک ہو رہا ہے؟"

"کیا وہ یہاں آرہا ہے کس نے کہا؟"

سحر کے بے جان وجود میں ایک دم سے جان آگئی ہتھیلی پہ ٹکائی نظریں اٹھائے اسے دیکھا۔

"میں پوچھ رہی ہوں یار! میری تو ایک سال ہو گیا تقریباً بات نہیں ہوئی۔"

اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

اس کا دل دھڑکنا بھول گیا۔

چہرے پہ آئے خوشی کے رنگ اڑ گئے اور وہاں پھر سے سوگواری آن بیٹھی۔

"ہمارے موم ڈیڈ آپس میں لڑے ہوئے ہیں تو کیا پتہ نہ آئے.....

پر کل پھوپھا جی اور کچھ لوگ ان کے گھر جائیں گے شادی بیاہ کا ماحول ہے نہ تو جھگڑے اچھے نہیں ہوتے۔"

وہ زور زور سے ہنسنے لگی۔اتنے زور سے کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہونے لگے۔

چار سال پہلے جس حال میں شہروز چھوڑ کے گیا تھا وہ اسی حال میں تھی۔

بس فرق یہ تھا کہ وہ دنیا کے سامنے دکھاوا کرنا سیکھ گئی تھی۔

پتہ نہیں کیا چیز اسے ہنسا رہی تھی۔

روما حیران سی اس کا منہ تکتے رہ گئی اس کے کھوکھلے قہقہے کو سنتی رہی۔

"محبت بہت بری چیز ہے نا؟"

اس نے ہنسی کنٹرول کرتے ہوئے پل بھر میں سنجیدگی سے دونوں ہاتھوں کو مٹھیاں بنا کر تھوڑی کے نیچے رکھ استفسار کیا۔

روما اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

وہ بہت کھوئی کھوئی رہنے لگی تھی بیٹھی بیٹھی کسی دوسری ہی دنیا میں چلی جاتی اور ہنسنے لگتی۔

پھر ہنستے ہنستے رونے لگ جاتی، کبھی ایسے دیکھتی کوئی آٹھواں عجوبہ دیکھ لیا ہو۔

یہ سب باتیں وہ نوٹ کرتی تھی۔

"نہیں سحر! محبت بہت انمول چیز ہے۔ محبت سے ہر چیز جیتی جاسکتی ہے۔ جیسے میں نے اس کو جیت جانا ہے۔"

اس نے مسکرا کر کہا اس کی مسکراہٹ میں جان تھی۔

"اچھا جی۔ ٹھیک ہے جی.....اور نکاح ایک ہفتے بعد نہیں چار دن بعد ہے۔"

سحر نے مصنوعی مسکراہٹ ہونٹوں پر لیے کہا۔

وہ نہیں چاہتی تھی روح اس کے دل کی کیفیت کو سمجھے پر وہ سمجھ چکی تھی۔ چار سال پہلے سے ہی وہ جان گئی تھی کہ سحر، شہروز سے بے پناہ محبت کرتی ہے مگر جب سحر نے ہی انکار کر دیا تو وہ بھی خاموش ہو گئی۔

"تم خوش ہو؟

رومی کی بات پہ سحر نے مسکرا کے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کون کہتا ہے نفرتوں میں درد ہے۔

کچھ محبتیں بھی بڑی اذیت دیتی ہیں۔"

رومانے بڑے خاص شاعرانہ انداز سے شعر پڑھا۔

"نفرت میں درد نہیں ہوتا محبت میں ہی درد ہوتا ہے کاش ایسا نہ ہوتا....

کاش محبت نہ رلاتی۔کاش محبت محبوب کو ملا دیتی ہوتی۔

پر محبت ہوتی ہی کیوں ہے؟نہیں ہونی چاہیے یار!نہیں ہونی چاہیے۔"

اس کے لہجے میں عجیب سی بے بسی تھی آنکھوں میں آنسو تر آئے۔

"ہاں جیسے تمہیں رلا رہی ہے۔

تمہیں بھی اس کی خوبصورت آنکھوں نے گھائل کر دیا۔

اور تم جانتی ہو اس ظالم کا تیر نشانے پہ یہاں....."

وہ دل پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اطمینان سے بول رہی تھی۔

"یہاں لگا ہے تمہیں۔"

"ن نہیں رومی!"

اس نے زور سے نفی میں سر ہلایا۔

"اوہ کم اون یار!میں اندھی نہیں ہوں پر کیا کروں میں محبت کے ہاتھوں مجبور ہوں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتی کچھ نہیں کہہ سکتی۔پتہ نہیں تم کب واقفیت حاصل کر سکو گی ایک کڑوے سچ سے۔"

رومی نے افسوس سے سرد سانس فضا کے سپرد کی اور گھٹنوں کے گرد بازو حائل کر کے تھوڑی بازوؤں پہ ٹکال

"کیا کیا مطلب ہے تمہارا؟"

اس نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا۔

"فلحال تو تمہارے مطلب کی بات تو یہ ہے کہ میں شہروز سے شادی نہیں کر رہی کسی اور سے کر رہی ہوں۔"

رومی نے ایک نظر اس پہ ڈالی اور بیگ سے اپنا شادی کا کارڈ اسے نکال کر تھما دیا۔

سحر کی تو روح ہی کانپ گئی تھی۔

اس کے ہاتھ سے کارڈ گر گیا تھا

"رومی! وہ..... تم..... تم سے بہت محبت کرتا ہے۔

تم اس کے ساتھ ایسے کیسے کر سکتی ہو یار! کیسے؟"

اسے شہروز کی فکر ہونے لگی تھی۔

وہ جانتی تھی محبت کو کھونے کا درد۔

"پر وہ میرے لیے یہاں نہیں آ سکتا تو میں کیوں انتظار کروں؟

کیوں اپنی زندگی برباد کروں ایک سال پہلے بات ہوئی تھی پھر اس نے مجھ سے بات نہیں کی تو کیسے مان لوں کہ وہ صرف میرا ہے اسے وہاں کوئی مل گئی ہو گی۔

میں اس سے محبت کرتی ہوں پر وہ نہیں کرتا ایک ہفتے میں میری شادی ہے آ جانا۔اور اسے بھی کہنا جب گوریوں سے فرصت مل جائے تو آ جائے۔"

رومی پل بھر میں شدید غصے میں آئی تھی۔ تیزی سے اٹھتی کتابیں اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔

"ا..... اے روما! رکو وہ ایسا ہر گز نہیں ہے یار تم سے بہت محبت کرتا ہے۔

تم ایسے کیسے کر سکتی ہو؟

انتظار نہیں کر سکتی کیا؟

بہت جلدی وہ آجائے گا یار۔

رومی! پلیز سٹاپ۔"سحر نے چیخ چیخ کر اسے روکنا چاہا پر وہ بنا رکے آگے بڑھتی گئی۔

"یہ کیا ہو گیا اب میں کیا کروں؟"

سحر واپس پلٹ کر اسی درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔

"جو بھی ہے وہ میرا کزن ہے میں اسے ٹوٹنے نہیں دوں گی، محبت اسے نہیں رلائے گی۔درد کی زنجیریں اسے چھو بھی نہیں سکتیں۔میں اسے وہ درد محسوس بھی نہیں ہونے دوں گی۔"

سحر نے سوچ لیا کہ کیا کرنا ہے۔

وہ مطلبی تو ہر گز نہیں تھی پھر بھی اسے احساس ہوا کہ اس نے غلط کیا روما کے سامنے رو نا رو کر۔

*****

"پلیز اللہ جی وہ میرا وائز میسج سن لے۔"

اپنے کمرے میں بھگی بلی کی طرح چلتی وہ بار بار اللہ کے سامنے ہاتھ جوڑ رہی تھی۔

وہ ابھی ابھی شان سے شہروز کا انگلینڈ والا نمبر لے کر وائز میسج سینڈ کر چکی تھی۔

اسے اپنے نکاح سے زیادہ رومی کی شادی اور شہروز کے بکھرنے کا غم تڑپانے لگا تھا۔

تھوڑی دیر بعد شہروز کیا میسج آگیا تھا۔

"تو میں پھر کیا کروں؟

وہ اگر میرا انتظار نہیں کر سکتی تو میں پھر کیا کر سکتا ہوں۔"

چند پل تو وہ وائز میسج کو دیکھتی رہی۔

پھر پلٹ کر بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے اس نے جیسے ہی شہروز کی آواز اس کی سماعتوں میں گونجی وہ زخمی سا مسکرا دی۔

"آپ کو دکھ نہیں ہو گا؟

شہروز خان! محبت کو پانا بہت مشکل ہوتا ہے۔

پلیز آپ کچھ دونوں کی چھٹیاں لے کر آ جائیں یہ نہ ہو بعد میں پچھتانا پڑے۔" لاکھ کوشش کے باوجود وہ اپنے ٹوٹے بکھرے لہجے کو سنبھال نہ پائی تھی۔

لڑکھڑاتے ہوئے آنسو اس کی اداکاری پہ پانی پھیر چکے تھے اس سے پہلے کہ وہ وائز میسج ڈیلیٹ کرتی شہروز نے ڈاؤنلوڈ کر لیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔اب مجھے میسج مت کرنا اور شادی مبارک ہو۔" آخری میسج تھا یہ اس کا اور وہ آف لائن ہو گیا۔

وہ بار بار اس کے دونوں وائز میسج سنتی رہی۔آخری میسج سحر کے رگ رگ میں زہر گھولتا گیا۔

"سحر! چلو تمہاری پھوپھو انتظار کر رہی ہے اور حمیدہ نے بھی شاپنگ کرنے جانا ہے۔جلدی آؤ نیچے۔"

ماں کی آواز سن کے وہ چونکی اور تیزی سے فون بند کرتی واش روم گھس گئی۔

واپس آئی تو نیچے خالہ پھوپھو اور ماں ہنس ہنس کے باتیں کر رہی تھیں۔

"واہ مولا مجھے ہی جلانا تھا کیا؟

اب ان کی نفرت کہاں گئی؟

چار سال سے ایک مرتبہ بھی تو ماں اور خالہ لڑائی کے میدان میں نہیں اتریں۔

مجھے جلا کے خود کیسے ہنس رہی ہیں۔"

سحر نے سختی سے اپنی آنکھوں کو رگڑا جن میں آنسوؤں کے سوا کچھ نہ تھا۔

شہروز کے دیئے آنسوں جو وہ سب سے چھپائے رکھتی تھی۔

ان سب کی دوریوں کی تکلیفوں نے اسے بہت توڑا تھا۔

اور اب جب وہ سب ایک تھے تو اسے شہروز خان کی بہت یاد آرہی تھی۔

اگر وہ یہاں ہوتا تو؟

تو شاید حالات کچھ اور ہوتے۔

"شان! دیکھ لے تیری شادی کے لیے میرے بیٹے نے دس چھوٹیاں لے لی ہیں۔

آفس سے بھی اور یونیورسٹی سے بھی۔

اور وہ کل تک پہنچ رہا ہے۔

کرماں والا ہے توں چار سال بعد میرا روٹھا بیٹا مان کر لوٹ آیا ہے۔"

خالہ کی آنسوؤں میں ڈوبی آواز نے سحر کے قدم سڑھیاں اترتے روک دیئے۔

"ابھی وہ کہہ رہا تھا وہ نہیں آرہا اور؟"

سحر کو اس دوغلے شخص کی سمجھ نہیں آئی تھی۔

شان نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ مسکرا کر دوبارہ رفتہ رفتہ سیڑھیاں اترنے لگی۔

"رومی! کرماں والا شان نہیں تم ہو۔ وہ تمہاری خاطر واپس آرہا ہے۔

تیرا شکر ہے میرے اللہ۔

کسی کی بیٹی کے ارمانوں، خوابوں کو چکنا چور نہیں کیا۔

ان دونوں کو محبت کی تپتی بھٹی میں اپنا آپ جلنا نہیں پڑا۔"

یہ سب سوچتے ہوئے اس کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔

"ہماری بیٹی نے تو اب سے ہی رونا شروع کر دیا۔

ادھر آمیری بچی۔" خالہ نے بڑے پیار سے ہاتھ اٹھا کر اسے اپنی بلایا۔

"واہ خالہ آج بڑا پیار آرہا ہے اس دن کیوں یاد نہ آیا جب محلے کے سامنے مجھے بدنام کر دیا تھا۔

تب کیوں نہ سوچا کہ میں تمہاری بچی ہوں۔ سب دکھاوا ہے اونہہ۔

کاش تم سب لوگ سچ میں ایک دوسرے سے محبت کرتے۔

پر جو بھی مگر میری زندگی مجھے تو درد کی زنجیروں میں جکڑنے والے تم سب ہو۔"

اس نے دل میں افسردگی سے سوچا اور مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ خالہ کے گلے لگ گئی۔

جب گلے لگی تو اس کو ایسا لگا جیسے اپنی ماں کے سینے سے لگی ہو۔

خالہ کی بھی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔

"چلیں ابھی اس کی رخصتی میں چار دن باقی ہیں۔

اب شاپنگ کو چلتے ہیں۔

یہ میڈم تو ہر وقت ہی روتی رہتی ہے۔

تقریباً چار سال سے آنسو بہار ہی ہے۔"

شان نے ایک نظر اس پہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ایک مرتبہ پیا دیس سدھار جائے پھر سارے دکھ بھول جائے گی۔"

خالہ نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ مبہم سی مسکراہٹ لیے سر جھکا گئی۔

****

لوگ کہتے ہیں اب اکثر مجھے

میں بہت سنجیدہ ہو چکی ہوں!

نادان ہیں وہ، واقف ہی نہیں

اس راز سے کہ.....

میرے لہجوں میں

میری آواز میں

میں نہیں، بس توں بولتا ہے

میری خوشی نہیں، تیرا درد بولتا ہے

رات نے اپنی چادر چاروں اطراف پھیلا رکھی تھی۔

ٹھنڈی ٹھنڈی رات کے آخری پہر وہ ٹیرس پہ کھڑا سگریٹ پھونک رہا تھا۔

اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور کمبل ایک جانب کرتی اٹھی، ریشمل لال آنچل کو سینے پہ پھیلا کر اس کی جانب بڑھی۔

"سنیں، کیا ہوا ہے آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں؟"

چند پل وہ یوں ہی خاموش کھڑی رہی پھر بولی تو وہ بری طرح سے چونک کر اس کی جانب پلٹا۔

"کچھ نہیں۔ تم جا کر سو جاؤ۔"

اس نے بجی ہوئی سگریٹ نیچے پھینکی اور اس پہ پاؤں رکھ کر مسلتے ہوئے رخ پھیر گیا۔

"نہیں کچھ تو پرابلم ہے۔ آپ آج سے پہلے اتنے پریشان کبھی دکھائی نہیں دیئے بتائیں نا۔"

وہ کچھ دنوں سے نوٹ کر رہی تھی کہ خان پریشان سا رہتا تھا۔

جس طرح پہلے سگریٹ پھونکا کرتا تھا اب کم کر چکا تھا۔

وہ جو اس کے آس پاس ہوتی تو خاموش نگاہوں سے اسے دیکھتے ہی رہتا۔

"کہا نہ کچھ نہیں ہے جاؤ جا کر سو جاؤ۔"

زور کا مکا ریلنگ پہ برسا کر وہ گرجا تھا۔

وہ خوف زدہ سی پلٹی اور بریک پھر بیڈ پہ جا کر ہی لگی۔

وہ گہری سانس خارج کرتا وہاں ہی صوفے پہ بیٹھ گیا۔

"یہ سب میری وجہ سے ہی ہوا ہے۔"

وہ سر تھامے سوچ رہا تھا۔

کچھ دن پہلے جب.....

وہ صبح کی واک سے واپس آیا تو اسے کمرے میں سے سگریٹ کے دھوئیں کی بو محسوس ہوئی۔

"میں نے تو آج کمرے میں ایک بھی سگریٹ نہیں سلگائی۔ تو پھر یہ.....؟"

وہ پسلیوں پہ ہاتھ ٹکائے سوچ ہی رہا تھا کہ وہ دروازہ دھکیل کر کمرے میں داخل ہوئی۔

"آپ آ گئے۔ چلیں ناشتہ لگ چکا ہے۔"

وہ ایک مرتبہ تو بری طرح چونکی تھی اسے دیکھ کر یہ اس نے بھی نوٹ کیا تھا پھر سنبھلتے ہوئے بولی اور واپس پلٹنے لگی۔

"رکو۔"

اس کے روکنے پہ وہ ایک دم سے وہاں ہی فریز ہوئی تھی۔

"کیا کیا بنا ہے ناشتے میں؟"

اس کے بلکل سامنے کھڑے ہوتے ہوئے اس نے استفسار کیا۔

"آپ کی پسند کا سب کچھ بنا ہے۔"

وہ بولی تو اس کے منہ سے ایسی کوئی بھی بو نہیں آ رہی تھی۔

"ہوں..... ٹھیک ہے جاؤ۔"

وہ سر ہلا کر آگے بڑھ گیا۔

جبکہ وہ چور نظروں سے اسے دیکھتی ایک نظر شیشے کی میز پہ پڑی سگریٹ کی ڈبی پہ ڈالتی کمرے سے نکل گئی۔

آگے دن پھر جب وہ رات گئے لوٹا تو سگریٹ کی بو نے استقبال کیا۔

"پہلے تو مجھے لگا تھا میرا وہم ہے مگر نہیں۔

وہ لب کچلتے ہوئے صوفے پہ گرنے کے سے انداز میں بیٹھا تھا۔

سامنے سوئی وہ لڑکی دنیا جہاں سے بے خبر تھی۔

اس کی نگاہیں جیسے ہی اس کے باریک نازک ہونٹوں پہ پھسلی تو وہ بری طرح چونکا۔

جو ہونٹ کچھ مہینے پہلے گلابی رنگ تھے اب عنابی ہو رہے تھے۔

"اوہ مائی گاڈ.....نو۔"

وہ سر تھام کر چند پل یوں ہی بیٹھا رہا اور پھر اٹھ کر اس کی جانب بڑھا۔

لیمپ کی روشنی میں اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ اس پہ جھکا تھا۔

اس کے منہ سے ایسی کوئی بو نہیں آ رہی تھی۔

تبھی اس کی نظر پاس پڑی باسکٹ پہ پڑی تو وہ چپکے سے دبے قدم باسکٹ اٹھائے ٹیرس پہ چلا گیا۔

فون کی روشنی میں جب اس نے باسکٹ میں جھانکا تو وہاں کئی ٹکڑے پڑے تھے۔

ہاتھ بڑھا کر ایک ٹکڑا اٹھایا اور نگاہوں کے سامنے کیے دیکھنے لگا۔

سفید رنگ کی جلی ہوئی سگریٹ پہ گلابی رنگ لگا ہوا تھا۔

جب اس نے ناک کے پاس لے جا کر سونگھا تو وہ تازی لپ اسٹک کے ہی نشان تھے۔

"پہلے تو میں نے اسے کبھی سموکنگ کرتے نہیں دیکھا۔ابھی پوچھتا ہوں.....اس لڑکی کی اتنی ہمت کہ یہ....."

وہ اٹھ کر کمرے کی جانب بڑھا تھا مگر کچھ سوچ کر وہ کمرے کے وسط میں ہی رک گیا۔

"یہ خواہ کتنی ہی غلط کیوں نہ ہو مگر میں نے اسے پہلے سموکنگ کرتے نہیں دیکھا تھا۔"

وہ مٹھیاں بھینچے واپس پلٹا۔

"مجھے اس سے بات کر لینی چاہیے اتنا گھبرا کیوں رہا ہوں۔ کہیں یہ شراب وغیرہ تو....."

نہیں نہیں۔"

حال میں لوٹتے ہی اس نے سوچتے ہوئے سختی سے نفی میں سر ہلایا۔

اسی وقت اس کے فون پہ کال آنے لگی تھی۔

نمبر دیکھ کر گہری سانس خارج کی اور کال اٹینڈ کر لی۔

اور اس کال نے اس کی توجہ پھر سے کاروبار کی جانب کھینچ لی تھی۔

وہ کل پھر سے آسٹریلیا جا رہا تھا۔

"یہ معاملہ آ کر ہی حل کروں گا۔"

وہ سوچتے ہوئے واپس کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

جانے سے پہلے وہ اس پہ سخت پابندی لگا گیا تھا کہ وہ گھر سے باہر نہیں جائے گی۔

تاکہ وہ گھر سے نکل کر سگریٹ نوشی نہ کر سکے۔

یہ ایک حیران کن انکشاف تھا جو اس پہ عیاں ہوا تھا۔

****

گھر میں چہل پہل شروع تھی۔

ہر رات سنگیت کا دور چلتا۔

مرد حضرات الگ سے ڈرائنگ روم میں محفل سجا لیتے۔ کبھی ڈھولکی خالہ گھر رکھی جاتی تو کبھی ادھر۔

کوئی فرق ہی نہیں رہا تھا دونوں گھروں میں۔

اور وہ یہ سب محبتیں دیکھ اور انہیں پھر ہضم نہیں کر پا رہی تھی۔

سب خوش تھے پر وہ خوش نہیں تھی۔

اس کے پاس خوش ہونے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔

"سحر! وہ آیا ہے۔اب میں کیا کروں؟

مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ میں.... میں اس کے سامنے کیسے جاؤں۔میرا دل سینے سے اچھل رہا ہے۔"

رومی کمرے میں داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر اس سے سر ٹیک کر آنکھیں موندے لمبے لمبے سانس لینے کے درمیان خوشی کے عالم میں شرما کر بولی۔

سحر کے ہاتھ سے رنگ برنگی چوڑیاں چھوٹ کر ڈریسنگ پہ بکھری تھیں۔

دوسرے ہی پل وہ بجلی کی پھرتی سے پلٹی تو اس کے لمبے گھنے آبشاروں کی مانند جیسے بال آئینے پہ لگتے چوڑیوں پہ گرے۔

"مبارک ہو۔میں کہتی تھی نہ وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔"

اس نے مسکرا کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"ہاں تھینک یو سو مچ۔مجھے معلوم ہے تم نے ہی اسے بلایا ہے۔"

رومی اسے گلے لگا کر اس کی رخسار پہ ہونٹ رکھتی باہر کی جانب بھاگی۔

"کیسے تمہیں دیکھوں گی شہروز خان!

اور جب کہ میری نظروں میں تمہارا واضح عکس نظر آئے گا تمہیں جو کہ میں نہیں چاہتی۔" وہ شیشے کے سامنے کھڑی بالوں کو چٹیا کی شکل دے رہی تھی۔

یہ بال پہلے بہت چھوٹے تھے مگر پھر جب اس نے انہیں کٹوانے سے ہاتھ ہلکا رکھا اور سٹائل کی جانب توجہ نہ دی تو کمر سے تلے تک جاتے بنے۔

وہ رو رو کر ہوئی لال آنکھوں میں کاجل کی لکیر لگا کر اٹھ کے باہر نکل گئی۔

دیوار کی دوسری جانب کچھ لڑکے کھڑے باتیں کر رہے تھے۔

جو انگلینڈ سے شہروز کے ساتھ آئے تھے اور اسی کے دوست تھے۔

".oh shazo! who is she? she is so beautiful"

ایک لڑکے نے شہروز کو شانوں سے تھامے اس کی جانب گھمایا۔

سحر نے گردن گھما کر ٹیڑھی نگاہوں سے اسے دیکھا تو پھر لمحے وہاں ہی رک گئے۔

اب کی بار وہ کس قدر بدل کر واپس آیا تھا۔

اس کی شخصیت میں سنجیدگی واضح نظر آ رہی تھی۔

بٹنوں والی سفید شرٹ اور نیرو کٹی پھٹی جینز زیب تن کیے۔

بھوری مونچھوں تلے دبے گلابی ہونٹ دلکشی سے مسکرا رہے تھے۔

وہ بہت بدل چکا تھا۔

اب کی مرتبہ وہ وجہہ شخصیت کا حامل شخص ہمیشہ کے لیے اس سے دور ہونے والا تھا۔

وہ شہروز خان کی سیاہ آنکھوں میں کھو چکی تھی۔

شہروز کے قدم بے اختیار دیوار کے قریب آ رکے تھے۔

جینز کی جیب سے ہاتھ نکال اٹھاتے ہوئے اس نے ہائے کے انداز میں ہاتھ ہلایا تو سحر نے بدلے میں مبہم سی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی اور رخ پھیر گئی۔

موٹی چٹیا ناگ کی طرح اس کی کمر پہ لہرا کر رہ گئی۔

پیلا آنچل گملوں پہ اٹکا تو اس نے دیوار پہ ہاتھ رکھا اور جھک کر دوسرے ہاتھ سے دوپٹہ آزاد کروایا ایک نظر اس پہ ڈالی جو انہماک سا اسے تکے جا رہا تھا۔

پھر وہ وہاں سے ہٹ گئی۔

شہروز جیسے ہی اس کے سحر سے نکلا تو اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔

"ارے اس قاتل حسینہ نے تو تمہیں گھاس ہی نہیں ڈالی۔

یہاں میری کزن ہوتی تو کھینچتی چلی آتی۔"

اس کے ایک دوست نے کمینگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیوار کے پار جھانکنا چاہا مگر اس نے اس کے سینے پہ ہاتھ رکھ غیر محسوس انداز میں پیچھے دھکیلا۔

"ایک منٹ یار میں آتا ہوں۔"

شہروز نے اس کے سینے پہ تھپکی رسید کرتے ہوئے دوستوں سے کہا اور دیوار پہ ہاتھ رکھ دوسری جانب چھلانگ لگادی۔

"ابے..... یہ کیا کر رہے ہو؟

تمہیں دیواریں پھلانگنی آتی ہیں؟ اور کیا کیا کر لیتا ہے؟"

ایک لڑکے نے اسے روکنا چاہا۔

"تم لوگ پہرہ دو میں تمہاری دور..... کی بھابھی سے مل کے آتا ہوں۔"

شہروز نے آنکھ دبائی اور سحر کے کمرے کی جانب بڑھا۔

وہ دروازہ بند کرنے کے لیے دروازے تک آئی تھی کہ شہروز کو اپنے سامنے پا کر ہڑبڑا گئی۔

"تم نے مجھ سے بات کیوں نہیں کی۔ اتنی نفرت ہے مجھ سے؟

یا پھر اپنی خوبصورتی پہ ناز ہے؟"

وہ اس کے کمرے میں داخل ہوا وہ پیچھے ہٹی تھی۔

شہروز نے پلٹ کر دروازے کو بند کر کے کنڈی چڑھا دی۔

"نن نہیں شہروز! ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔

آپ جائیں یہاں سے۔"

وہ تیزی سے پلٹ کر بیڈ پہ جا بیٹھی۔

وہ چند پل تو وہاں رکا رہا اور پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اس کے برابر میں جا بیٹھا۔

گردن گھما کر اس نے سحر کے چہرے کو دیکھا تو نظر خود بخود ہی سرخی مائل ہونٹوں پر بنے تل پہ ٹھہر گئی۔

"پتہ ہے میں نے تمہیں بہت زیادہ مس کیا۔"

شہروز نے اس کے شانے پہ سر ٹکائے ایک جذب سے آنکھیں موند لی تھیں۔

سحر کی تو جان ہی اس ایک شانے میں آسمائی تھی۔

"کیوں؟"

وہ تھوڑی سی پرے کو سرک گئی۔

اسے خوف محسوس ہو رہا تھا شہروز سے۔

کیونکہ اب وہ جوان ہو چکے تھے۔

بچپن نہیں تھا یہ.....

کہ جب وہ اسکی گود میں سر رکھ کر سو جاتا تو وہ پیار سے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے اس کے بالوں کو سہلاتی رہتی۔

"کیوں..... کیوں۔"

اس کی تھوڑی کے تلے شہادت کی انگلی ٹکائے رخ اپنی جانب کرتے ہوئے گویا ہوا۔

"کیونکہ وہاں تمہارے جیسی نک چڑھی۔ بات بات پہ تمیز سکھانے والی۔

میری انسلٹ کرنے والی۔ مجھ سے نفرت کرنے والی ایک بھی نہیں تھی۔

سب کی سب مجھ پہ دل و جان سے فدا تھیں۔"

شہروز نے اس کے چہرے پہ آرہے بالوں کو ایک طرف کرتے ہوئے کہا تو وہ کرنٹ کھا کر اس کے پہلوؤں سے نکلی۔

وہ حیران ہوتے ہوئے ہنس دیا۔

"جیسی تم ہو مجھ سے نفرت کرتی ہو۔

ٹارچر کرتی ہو۔

ذلیل کرتی ہو اور مجھے اپنے بھائی کے ہاتھوں خوب مار لگواتی....."

"بس کر دو شہروز خان! یقین ہو چکا ہے کہ تم بادام بہت کھاتے ہو۔"

وہ اس کے منہ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے جھک کر سختی سے بولی۔

شہروز آنکھیں پھیلائے اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

اس نے سحر کے کومل ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے منہ سے ہٹایا۔

"تمہیں دیکھ کر مجھے شعر یاد آگیا ہے۔

عرض کیا ہے۔

کاجل بھری قاتلانہ یہ نگاہیں

اف، توبہ میرا اللہ مجھے بچائے۔"

گھمبیر لہجہ سحر کے چہرے پر لالی چھوڑ گیا تھا مگر وہ غصے سے اس کے ہاتھ جھٹکتی رخ پھیر گئی۔

"میں یہاں اس لیے آیا تھا کہ تمہارا شکریہ ادا کر سکوں۔"

وہ سنجیدہ ہوا تھا۔

"کس لیے؟"

سحر نے اپنا ریشمی آنچل شانے پہ ٹکایا تھا۔

"میری ہونے والی بیوی سے ملوایا۔ تم اگر نہ بتاتی تو میں شاید نہ آتا۔

خیر رومی ہے کہاں؟"

کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی نظر ڈریسنگ کے پاس نیچے پڑی، جہاں پیلی اور سبز چوڑیاں ٹوٹ کر بکھری پڑی تھیں۔

"نیچے ہے۔اب جاؤ یہاں سے۔نکلو....."

سحر جو سوچ رہی تھی کوئی کریشمہ ہوا ہے ایک پل تو اس کی چالاکی پہ دل کو سنبھالتی رہی پھر غصے سے دانتوں پہ دانت جمائے پلٹی اور اس کا ہاتھ تھامے دروازے کی جانب بڑھی۔

"اچھا وہ مجھ سے ناراض ہے تم اسے منا دو نا۔"

شہروز نے ایک ہاتھ دروازے پر ٹکایا۔

نگاہیں اس کے اسی مرمریں ہاتھ پہ تھیں جو اس کے ہاتھ میں تھا۔

"شش شہروز خان! میں کہہ رہی ہوں پلیز چلے جائیں۔" سحر نے کنڈی کھولتے ہوئے اس کو گھوری نوازی۔

"اوکے جا رہا ہوں۔جا رہا ہوں۔پہلے بھی تو چلا گیا تھا اور اب کون سا میں رک جاؤں گا۔"

وہ شانے اچکاتے ہوئے اس کا ہاتھ چھوڑ وہاں سے چلا گیا تھا۔

اور پیچھے اس کے سینے میں ایسا زہریلا خنجر گاڑھ گیا کہ وہ کئی لمحے وہاں ہی پتھر کی بنی کھڑی رہی۔

******

رات کو وہ کب سوئی تھی اسے علم نہیں تھا مگر اتنا یاد تھا کہ شہروز خان کا لہجہ، وہ نرم باتیں، اپنوں والی مسکان.... وہ اس کی نیند اڑا لے گیا تھا۔

اس کی باتیں اس کی آواز سحر کے لیے کانٹوں کا بستر بچھا چکا تھا۔

صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو فون پہ مسلسل نوٹیفکیشن آ رہے تھے۔

وہ جھنجھلا کر اٹھی اور جیسے ہی اس نے پاؤں فرش پہ رکھا بہت ملائم شے نے اس کے پیروں کو چھوا تھا۔

چونک کر نیچے دیکھا تو وہ حیران رہ گئی۔

پھولوں کی پتیاں جن کا راستہ بنایا گیا تھا جو کمرے کے دوسرے کونے میں رکھی میز تک پہنچ کر ختم ہو رہا تھا۔

بالوں کو انگلیوں سے سنوار کر پیچھے کرتی وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی میز تک پہنچی۔

جہاں ایک گلابی، لال گلاب کے پھولوں کا گلدستہ پڑا تھا۔

اس کے ساتھ ہی ایک لال رنگ کا تہہ شدہ خط بھی تھا اور اس پہ ایک انگوٹھی رکھی گئی تھی۔

کھوئے کھوئے انداز میں ہاتھ بڑھا کر اس نے گلدستہ اٹھایا اور پلٹ کر دروازے کی جانب دیکھا۔

پھر جھک کر انگوٹھی اٹھائی جو یقیناً ہیرے کی تھی۔

ان دونوں چیزوں کو ایک جانب رکھ کے وہ خط کھولتی بیڈ کی جانب بڑھی۔

"تمہارا ہونے والا شوہر تم سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔

تمہارے بنا جینے کا بھی نہیں سوچ سکتا۔

ایسا جب بھی سوچتا ہوں مجھے اپنے دل کی دھڑکنیں رکتی محسوس ہوتی ہیں۔

اپنے پیارے سے شوہر کے پیار کا نذرانہ قبول کرو میری پیاری سی بیوی۔"

نیچے شان کے سائن تھے۔

وہ لب بھینچ کر میز پہ پڑے گلدستے اور انگھوٹھی کو تکنے لگی۔

"شان! آپ بہت بہت اچھے ہیں۔ مگر میں بھی تو مجبور ہوں۔ میں آپ سے کبھی محبت نہیں کر سکوں گی۔

میری محبت کی جتنی مقدار تھی ساری شہروز کے لیے ہے

شہروز

کے سوا کسی کے لیے میرے دل میں جگہ نہیں ہو گی ایم سوری۔"

وہ بڑبڑاتی آنکھیں موندے لمبے لمبے سانس لے کر خود کو نارمل کرتی اٹھی اور وارڈروب سے کپڑے نکال کے واش روم چلی گئی۔

ناشتے کے بعد سارا دن وہ بالکنی میں اپنی کزنز کے ساتھ بیٹھی رہی تھی۔

کبھی شہروز سامنے آجاتا تو نظر اٹھا کر اسے دیکھتی تو وہ مسکرا دیتا۔

وہ اس کی بغلوں سے پھوٹتے خوشی کے لڈو دیکھ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ جاتی۔

وہ تو خوش تھا شاید اس نے رومی کو منا لیا تھا۔

مہندی کی تقریب اب زور پکڑنے لگی تھی سحر کو تیار کر کے ہال میں لایا گیا۔

اس نے غیر ارادہ طور پر نظریں اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا مگر وہ نہیں تھا۔

بہت سادگی سے لڑکی کی مہندی کی رسم ادا کی جبکہ شان کی مہندی ابھی شروع ہوئی تھی۔

اتنی فائرنگ ہو رہی تھی کہ وہ سٹیج پہ بیٹھی بھی خوف زدہ ہو گئی۔

ایک ایک فائر اس کے دل کو چیر رہا تھا۔

"کاش میں مر جاؤں۔ایسا نہیں ہو سکتا اتنی دور سے آتی آواز کی جگہ گولی آ لگے میری سماعتوں میں؟"

اس نے سوچتے ہوئے سر جھکا لیا۔

"رومی! اسے اوپر لے جا۔"

ماما نے اس کا منہ سر چوم کر کھڑا کیا کیونکہ مہندی کی رسم مکمل ہو چکی تھی۔

"جی خالہ! وہ علی بھائی آپ کو بلا رہے ہیں۔بہت پریشان ہیں ذرا جا کر انہیں دیکھیں۔"

رومی جو ابھی ابھی کچن سے آ رہی تھی علی خان کے کمرے کے سامنے سے گزری تو وہ مضطرب سا ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔

"روما!"

وہ مکا بنا کر ہتھیلی پہ مار کر جیسے ہی دروازے کی جانب پلٹا روما پہ پہلی نگاہ پڑی جو چوکھٹ پہ کھڑی تھی۔

وہ ڈر کے مارے تیزی سے پلٹنے ہی والی تھی کہ علی نے اسے پکارا۔

"ج جی بھائی؟"

وہ ہڑ بڑا گئی تھی۔

"پلیز ذرا ماما کو بھیج دو۔"

"کوئی پرابلم ہے کیا بھائی؟"

وہ اس کے لہجے کو اٹکتا محسوس کرتے ہوئے نرمی سے گویا ہوئی۔

"ہاں بہت بڑی پرابلم ہے۔ کیا تمہارے پاس کوئی حل ہے؟"

وہ پُرامید نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے مدھم سی مسکراہٹ لیے گویا ہوا۔

"ہاں شاید میں...."

"کچھ نہیں تم سے میں کیا کہوں.... پاگل ہو گیا ہوں میں۔

خیر ماما کو بھیجو۔"

وہ پلٹ کر کمر پہ ہاتھ ٹکائے سامنے دیوار کو گھورنے لگا۔

وہ ناسمجھی سے شانے آچکا کر وہاں سے چلی گئی۔

"سحر! تم یہاں بیٹھو میں ابھی آتی ہوں۔"

وہ اسے کمرے میں چھوڑ کر تیزی سے وہاں سے چلی گئی۔

"پتہ نہیں علی بھائی کو کیا مسئلہ ہو گیا؟

آج سے پہلے وہ اتنے پریشان نہیں دیکھے میں نے۔"

سیڑھیاں اتر کے اس نے رخ علی کے کمرے کی جانب کیا تھا۔

"ماما! ٹرائے ٹو انڈر سٹینڈ میں اس سے محبت نہیں کرتا تو پھر شادی کیسے....؟"

علی کی التجاء میں ڈوبی آواز پہ رومی کے قدم رک گئے۔

وہ جلدی سے کھڑکی کے پاس کھڑی ہو کر کان کمرے کی جانب کیے۔

"ایک دن اسی طرح اسی طرح سحر نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ شہروز سے محبت کرتی ہے۔ مگر تم نے اسے اس قدر تشدد کا نشانہ بنایا کہ ٹائفائیڈ لیے مہینہ بھر بستر پر پڑی رہی۔ آج تم پھر سے اک لڑکی کی زندگی برباد کرنے چلے ہو۔ کتنے مان سے بھائی بھابھی نے رشتے کی بات کی ہے۔"

ماما نے دبی دبی آواز میں غصے سے ایک ایک لفظ چبائے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ماما! آپ کو میں نہیں سمجھا سکتا۔

میں تب بھی ٹھیک تھا اور اب بھی ٹھیک ہوں۔

میں جا رہا ہوں۔ مجھے نہیں کرنی شادی وادی۔"

"ایک مرتبہ پھر سوچ لو علی خان!"

وہ ابھی آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ ماما کی آواز نے اس کے قدم روک دیئے۔

وہ اچھنبے سے انہیں دیکھتے ہوئے پلٹا۔

"کیا سوچ لوں؟ جب میں نے کبھی اسے دیکھا نہیں اس کے متعلق سوچا نہیں تو پھر اب کیوں سوچ لوں؟"

وہ سر تھامے جھنجھلا کر گویا ہوا۔

"کس کے متعلق بات ہو رہی ہے؟"

وہ کان کو مزید کھڑکی کے قریب کرتے ہوئے ہمکلام تھی۔

"کوئی اور لڑکی ہے تمہاری زندگی میں؟"

"کیسی باتیں کرتی ہیں ماما!

ابھی تو میرا بزنس ٹھیک سے نہیں چل رہا جیسا میں چاہتا ہوں تو ان حالات میں میری زندگی میں کوئی کیسے ہو سکتی ہے؟

آپ تو ایسے باتیں کر رہے ہیں جیسے مجھے جانتی نہ ہوں۔"

وہ منمنایا۔

"پھر پرابلم کیا ہے؟"

ماما نے نرمی سے استفسار کیا۔

وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"دیکھو علی! تمہارے پاپا کے دوست ہیں بھائی صاحب اور انہوں نے اتنی چاہت سے خود گھر آ کر کہا ہے اور اب تمہارے والد صاحب ہاں کہہ چکے ہیں۔ اگر تم نے انکار کیا تو وہ بہت ناراض ہوں گے۔"

انہوں نے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے محبت سے سمجھانا چاہا۔

رومی نے جھک کر شیشے کی کھڑکی سے اندر جھانکنا چاہا مگر دیکھ نہ سکی۔

"شوہر کے متعلق ہی سوچیے گا بیٹے کے متعلق کبھی اچھا نہیں سوچنا آپ۔

جب میں ایک لڑکی کو جانتا نہیں تو پھر کیسے شادی کر لوں۔

اور یہ کیا بات ہوئی بھئی.....

آج ہی انہوں نے بات کی اور آپ نے ہاں بھی کہہ دی۔ میں کوئی لڑکی تھا جو اتنا سستا سمجھ....."

"چپ کر..... وہ بچی بہت پیاری ہے۔ اور ایسے رشتے بار بار نہیں آتے۔ ایک دن کا وقت ہے تمہارے پاس سوچ لو۔ مگر مجھے جواب ہاں میں چاہیے۔"

انہوں نے اس کے سر پہ چپت رسید کی اور وہاں سے چلی گئیں۔

"کیا مصیبت ہے یار! شادی..... میں..... اور وہ بھی اس لڑکی سے.....؟ ہاؤ فنی۔"

وہ دھک سے کلیجہ تھام کر رہ گیا۔

نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ وہاں سے جیسے ہی باہر نکلا رومانیزی سے وہاں سے ہٹ گئی مگر وہ اسے دیکھ چکا تھا۔

ادھر ادھر نگاہیں دوڑا کر وہ تیز قدم اٹھاتا کالے کرتے کی آستینوں کو کہنیوں تک فولڈ کرتا اس تک پہنچا اور جھک کر اس کی کلائی تھام لی۔

"چلو میرے ساتھ۔ منہ سے ایک لفظ بھی نکالا تو جان سے مار دوں گا۔"

انگلدشت دکھاتے ہوئے وہ سرخی مائل آنکھوں کو پھیلائے اس طرح بولا کہ رومی خوف زدہ سی سر اثبات میں ہلا کر اس کے ساتھ چل دی۔

پتہ نہیں اب یہ کہاں لے کر جا رہا تھا روبی کو؟

*****

"میری طرف دیکھو سحر!"

وہ جو آئینے کے سامنے کھڑی اپنے سوگوار حسن کو تکنے کے بعد آنسوؤں کو پونچھ رہی تھی شہروز کی آواز پہ چونکی اور بھیگی لمبی پلکیں اٹھا کر سامنے دیکھا اس کا عکس شیشے میں اپنے پیچھے پاوہ تیزی سے پلٹی اور دونوں ہاتھوں کو ڈریسنگ پہ ٹکا گئی۔

"پوز کرو فوٹو بنانی ہیں۔"

اس نے کہا تو وہ ہنوز آنسو بہاتی اسے انہماک سے تکنے لگی۔

سفید شیروانی جس پہ پیلے دھاگے کی نفیس انداز میں کڑھائی کی ہوئی تھی۔

شیروانی کے گولڈن چمکتے بٹنوں سے سحر کی نظر اس کے چہرے پر جا ٹھہری۔

آج آخری رات تھی پھر وہ شہروز کو شاید کبھی نہ دیکھتی۔

محبت کو ہر لڑکی کی طرح دل میں چھپا کر رکھتی؟

وہ جادوگر تھا یا محبت کی ضد تھی یہ کہ وہ بس آج جی بھر کے دیکھ لے۔

یا یہ اس کی دیوانگی کی حد تھی؟

"آہاں....." شہروز نے کیمرے سے آنکھ ہٹا کر نفی میں سر ہلایا اور آگے بڑھ کر آئینے کے سامنے پڑے ٹیشو باکس میں سے چند ٹیشو نکال کر اس کی جانب بڑھا دیئے۔

"تھوڑا سمائل کر لو۔ بہت پیاری لگو گی قسم سے۔"

ہاتھوں کو ڈریسنگ پہ ٹکائے وہ اس کی غلافی نگاہوں میں جھانکتے ہوئے گویا ہوا۔

"چلو شاباش اب سمائل کرو۔"

وہ جلدی سے پیچھے ہٹا اور کیمرہ سنبھال لیا۔

"کیا تمہیں پوز کرنا نہیں آتا؟"

لہجے میں سختی سموئے اس نے استفسار کیا۔

"تمہارے شوہر نے بھیجا ہے۔ مجھے کوئی شوق نہیں تھا یہاں آنے کا۔"

وہ بھنویں آچکا کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"تو نہ آتے کیوں آئے ہو؟"

وہ اس سے بھی اونچی آواز میں چلائی۔

"آہستہ بولو کوئی آگیا تو۔"

اس نے سرگوشی کی وہ منہ بسور کر اپنی چوڑیاں اتارنے لگی۔

"یہ کیا کر رہی ہو تم۔"

"اپنے بناؤ سنگھار کا جنازہ نکال رہی ہوں۔"

اس کے استفسار پر وہ تنک کر گویا ہوئی۔

"ابھی اتنی بھی کیا جلدی ہے جنازے کی
محبوب پاس ہے پھر بھی کرتے ہو کیوں بات مرنے کی؟"

وہ ایک ایک قدم چلتا اس کے قریب آیا چوڑیاں اٹھا کر اس کی جانب بڑھائیں۔

"یہ پہن لو اور تھوڑا سا مسکرا دو۔"

وہ جو اس کے شعر کے لفظوں میں کھو چکی تھی۔

اس ہی کھوئے کھوئے انداز میں مسکرا دی۔

"بہت خوب۔"

شہروز نے مسکرا کر اسے داد دی اور اس کے ہر پوز کو کیمرے میں محفوظ کر لیا۔

"ایک سیلفی ہو جائے۔"

وہ اس کی جانب بڑھا۔

اس سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہوتے ہوئے اپنا فون نکالا اور سیلفی بنالی۔

"یہاں آ جاؤ۔"

اس کا ہاتھ تھامے وہ صوفے کی جانب بڑھا۔

سحر نے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

"شکریہ کزن جی۔" شہروز نے سرگوشی کی۔

"آپ نے اپنی نفرت کو ایک طرف رکھ کر میری مدد کی۔"

صوفے کے بازو پہ کہنی ٹکائے اس نے ٹانگ پہ ٹانگ چڑھاتے ہوئے اپنے اور اس کے درمیان فاصلے بڑھائے تھے۔

"میں آپ سے نفرت نہیں کرتی آپ کرتے تھے اور کرتے یو۔" سحر نے نفی میں سر ہلا کر ایک ایک لفظ پہ زور دیتے ہوئے کہا۔

"ہاہا.....ہایہ آپ کون ہے؟میں تو تم ہوں نہ نالائق شہروز.....جس کا قد تو بڑا ہو گیا مگر دماغ چھوٹا ہے۔

مجھے لگتا یہ چھوٹے سے دماغ نے ہی مجھے آکسفورڈ یونیورسٹی پہنچایا اور ماشاءاللہ بہت جلد ہی ڈاکٹر شہروز منظر عام پر آنے والا ہے۔"

شہروز نے وہاں سے بیٹھے ہی اپنی اور اس کی سیلفی لے لی۔

وہ سختی سے لب بھینچ کر آنکھیں موندے سر جھکا گئی۔

"تم سوچ رہی ہو گی کہ اب سب ایک ہو گئے؟میں بھی یہ سوچ رہا ہوں۔دیکھو ڈیڈ،انکل موم ،خالہ ایسے ساتھ ہیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

ہمارے درمیان تو اتنی بڑی دیوار تعمیر کر دی کہ یہ کبھی گر نہیں سکے گی۔"

وہ اٹھ کھڑا ہوا ٹھیک اسی وقت دروازے پہ دستک ہوئی تھی۔

وہ کرنٹ کھا کر اٹھی تھی۔

"سحر بیٹا!.....دروازہ کھولو۔"

"خالہ....."

اس نے بھاگ کر شہروز کا ہاتھ تھامتے ہوئے ایک ہراساں سی نظر دروازے کی طرف ڈالی۔

"جاؤ دروازہ کھولو مما....."

"شششش..."اس سے پہلے کہ وہ کچھ مزید کہتا سحر نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"سحر!سو گئی ہو کیا؟"

خالہ نے پھر سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

سحر خوف زدہ ہو چکی تھی۔

اگر آنٹی اپنے صاحب زادے کو اس وقت یہاں دیکھ لیتی تو پتہ نہیں کیا کیا افواہیں اڑا دیتی۔

سحر نے خوف سے بھری نگاہیں اٹھا کر شہروز کو دیکھا جو مبہم سی مسکراہٹ لیے اسے ہی تک رہا تھا۔

"اب کیا کرو گی؟"

جھک کر وہ اس کے کان میں کہتا ابھی چلنے ہی لگا تھا کہ سحر نے اس کے ہاتھ پہ دباؤ ڈالا۔

اس کی نظر جیسے ہی کھڑکی پہ پڑی جس کا در وا تھا اس کی روح پرواز کرنے کو ہو گئی مگر ہوش میں رہتے ہوئے اس نے بنا کوئی آواز کیے لائٹ آف کر دی۔

وہ اپنی ہنسی پہ قابو پانے کی کوشش کرتا بیڈ کی جانب بڑھا اور آرام سے لیٹ گیا جبکہ وہ دیوار کے ساتھ چپکی خوف سے کانپتی رہی۔

"یہ لڑکی جواب کیوں نہیں دے رہی۔اے سحری! دروازہ کھول۔"

انہوں نے لائٹ آف ہوتی دیکھ لی تھی۔

تبھی غصے سے گویا ہوئیں۔

سحر ایک دم سے ڈر گئی تھی۔

ہاتھ سے شہروز کو ڈھونڈتی وہ ادھر ادھر گھوم رہی تھی۔

"ج جی خالہ میں کپڑے تبدیل کر رہی ہوں۔ تھوڑا انتظار کریں کھولتی ہوں۔"

اس نے کہا تو خالہ کا پارہ ہائی ہو گیا۔

"کب سے دروازہ کھٹکھٹا رہی ہوں بول کیوں نہیں رہی تھی؟ خیر کپڑے بدل لے میں پھر آتی ہوں۔"

وہ دوپٹہ شانے پہ درست کرتیں ایک غصیلی نگاہ دروازے کو پیش کرتی وہاں سے ہٹ گئیں۔

"اوہ مائی گاڈ۔ پتہ نہیں انہوں نے رومی کا کیا حال کرنا ہے۔ وہ تو بہو ہو گی ان کی۔"

وہ گہری سانس خارج کرتی بورڈ کی جانب بڑھی اور لائٹ آن کر کے پلٹی۔

وہ بیڈ پہ چیت لیٹا ہوا تھا اور شاید سو چکا تھا۔

اس کا پورا وجود کانپ گیا۔

"کتنے مزے سے سو رہا ہے جیسے اس کا اپنا کمرہ ہو۔"

وہ منہ بسور کر گلے میں پہنا پھولوں کا ہار اتارتی ڈریسنگ کی جانب بڑھی۔

جیولری اتار کر دوپٹہ صوفے پہ پھینکتی وہ پیر پٹختی واشروم کی جانب بڑھ گئی۔

کپڑے بدل کر وہ کمرے میں واپس آئی تو وہ ہنوز سو رہا تھا۔

"اس کی بچپن کی عادت نہیں گئی۔ پہلے بھی دیر رات تک یہاں ڈیرے جمائے رکھتا تھا اور میری ماما کے پاس سو جاتا تھا۔ مجھ بچاری کو...."

غصے سے اس کی جانب بڑھی۔

"مجھ بچاری کو اکیلا سونا پڑتا تھا۔

دل تو چاہتا ہے اس سے ایک ایک ظلم کا بدلہ لوں مگر....."

اس کا غصہ اڑن چھو ہو گیا تھا۔

اور وہ اس کے پر سکون چہرے کو دیکھتی رہ گئی۔

کتنا سکون تھا اس کے چہرے پر۔

"کیا کر رہی ہو سحری! آج تمہیں مہندی لگ چکی ہے شان کے نام کی پھر اب کیوں۔"

وہ رخ پھیر گئی۔

انگلیاں پٹختی وہ پھر سے اس کی جانب گھومی اور ایک قدم آگے بڑھایا۔

***

گاڑی سبک روی سے مین روڈ پہ دوڑ رہی تھی۔

علی کا ہاتھ ایک پل کو بھی ہارن سے نہیں اٹھا تھا۔

وہ خوف زدہ سی آنکھیں پھیلائے کبھی علی کو دیکھتی جس کے چہرے پہ جھنجھلاہٹ، غصہ، بیزاری، کچھ کھو دینے کا ڈر کیا نہیں تھا۔

تو کبھی سامنے دیکھتی جہاں اسے اپنی موت کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"ع علی بھائی! ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

اس نے ڈرتے ہوئے استفسار کیا۔

علی نے جب گردن گھما کر لال سرخ آنکھوں سے اسے گھورا تو وہ تیزی سے رخ پھیر کر سر جھکا گئی۔

"دراز کھولو۔"

"ج جی؟"

"دراز کھولو اور اس سے ریوالور نکالو۔"

اس مرتبہ اس نے سختی سے کہا تو وہ سر ہلا کر دراز کھولنے لگی۔

ریوالور نکال کر اس کی جانب بڑھاتے ہوئے وہ حیرت اور خوف سے اس کے پل پل بدلتے رنگ کو دیکھ رہی تھی۔

"اپنا فون نکالو۔"

اس نے اشارہ اس کے بیگ کی جانب کرتے ہوئے کہا۔

"ک کیوں؟"

"اپنے گھر کال کرو اور انہیں کہہ دو کہ تم میرے ساتھ ہو۔ وہ پریشان نہ ہوں۔"

"کیا؟ آپ آپ کا دماغ درست تو ہے؟ وہ لوگ کیا سوچیں گے۔

علی بھائی! آپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ لوگ میرے بارے میں کیا کیا باتیں کریں گے جو آپ کے ساتھ اس وقت دیکھ لیا۔"

اس کا دماغ اب کام کرنے لگا تھا۔

"جو کہا ہے وہ کرو۔ کوئی کچھ نہیں کہہ گا۔ اب تک تو کسی نے تمہیں کچھ کہا نہیں۔"

اس نے اس کے ہاتھ سے ریوالور کھینچ کر اس کی کنپٹی پہ رکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"آپ پاگل ہو گئے ہیں۔

ویسے میرا دماغ خراب تھا جو آپ سے ڈر رہی تھی۔

مجھے ابھی گھر واپس لے کر چلیں نہیں تو....."

وہ اب ہی تو ہوش میں آئی تھی۔اب ہی تو سمجھ آئی تھی کہ یہ کیا ہو گیا۔

"نہیں تو کیا؟"

اس کی بات کاٹتے ہوئے وہ بریک پہ پاؤں رکھ اس کی جانب جھکا تھا۔

وہ پھر سے خوف زدہ ہو گئی۔

دبک کر پیچھے ہٹی مگر سیٹ بیلٹ نے اسے ہلنے نہ دیا۔

"آپ اچھا نہیں کر رہے علی بھائی! مت بھولیں کہ میں آپ کی بہن کی دوست ہوں تو آپ کی بھی تو بہن ہی ہوئی۔آپ مجھے ہراساں مت کریں پلیز۔"

زور سے آنکھیں موندے وہ مضبوط لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"تو آئی کیوں تھی میرے ساتھ؟ تمہیں شرم نہ آئی میرے ساتھ بنا وجہ جانے آتے ہوئے؟ تم میری بہن بننے کے لائق نہیں ہو سمجھی۔"

وہ دبی دبی آواز میں غراتے ہوئے اس کی جانب مزید جھکا تھا۔

"مجھے تب آپ نے کچھ پوچھنے کا موقع نہیں دیا تھا۔پلیز علی بھائی! مجھے گھر لے چلیں آپ کو جہاں بھی جانا ہے اکیلے جائیں۔

آپ اگر شادی نہیں کرنا چاہتے اس لڑکی سے تو مت کریں۔مگر یوں خود کو اذیت تو مت دیں۔"

وہ اس کے سینے پہ ہاتھ رکھ پیچھے دھکیلتے ہوئے ہیں آنکھیں موندے گویا ہوئی۔

"اذیت کی ہی تو بات ہے۔اذیت کی ہی تو بات ہے....."

زور کا مکا سٹیر نگ پہ مارتے ہوئے وہ عجیب لہجے میں گویا ہوا۔

وہ ڈر کے سہم کر خود میں سمٹ گئی۔

"م مجھے گھر چھوڑ آئیں پلیز۔"

وہ کانپتی آواز میں بمشکل ایک ہی بات دوہرے جا رہی تھی۔

"چھوڑ آؤں گا اتنی بھی کیا جلدی ہے۔"

وہ اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے مبہم سا مسکرا کر نرمی سے گویا ہوا۔

وہ پوری آنکھیں کھولے اسے حیرت سے تکنے لگی جو گرگٹ کی مانند ایک پل میں رنگ بدل چکا تھا۔

کٹھور پن سے سیدھا پھول برسانے لگا تھا۔

"مگر پہلے تم.....میری بیوی کے لیے میرے ساتھ مل کر شاپنگ کرواؤ گی۔"

گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے وہ کچھ سوچ کر گویا ہوا۔

"کیا مطلب؟بیوی؟"

"ہاں بیوی میں آج نکاح کرنے والا ہوں۔آج یعنی ابھی اور تم میرا ساتھ دو گی۔"

وہ خوشگوار لہجے میں کہتے ہوئے کسی اور ہی موڈ میں لگ رہا تھا۔

"میں ایسا کچھ نہیں کر رہی۔آپ کو میں ہی ملی تھی اپنے غیر قانونی کام کو سرانجام دینے کے لیے۔"

اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے وہ اپنی رہائی کی خاطر چلائی۔

"تو تمہیں کون کہہ رہا تھا میری اور ماما کی باتیں چوری چوری سنو؟"

علی نے اس کی آنکھوں میں براہِ راست جھانکتے ہوئے کہا تو وہ شرمندگی کے مارے سر جھکا گئی۔

"مگر آپ آنٹی کی پسند کی لڑکی کے ساتھ شادی کیوں نہیں کرنا چاہتے؟

مجھے اتنا تو معلوم ہے کہ وہ بہت پیاری ہو گی کیونکہ آنٹی کی پسند بہت ڈیسنٹ ہے۔"

وہ چونکتے ہوئے اس کے چہرے پہ نگاہیں دوڑاتے ہوئے بولی۔

وہ قہقہہ لگا کر لوٹ پوٹ ہونے لگا۔

"کیونکہ میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں۔"

اس نے گردن گھما کر اسے دیکھتے ہوئے آنکھ دبائی۔

"تو وہاں آنٹی سے کیوں کہا کہ...."

اس کے گھورنے پہ وہ پھر سے خاموش ہو گئی۔

وہ کوئی نمبر ڈائل کرنے لگا تھا۔

"اسلام و علیکم! ہاں جی ادیبا! ہم مال پہنچ رہے ہیں تم بھی آجاؤ۔"

یقیناً وہ ہی لڑکی تھی جس کی خاطر علی انتہائی قدم اٹھانے والا تھا۔

روما خود کو اس مصیبت میں خود پھنسا چکی تھی اب سر پیٹنے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔

دل میں عجیب سی گھٹن کا احساس بڑھ رہا تھا۔

وہ بار بار علی کی جانب دیکھتی، کچھ کہنے کی کوشش کرتی اور پھر خود کو ٹوک کر رخ پھیر لیتی۔

علی کے ساتھ اس کی کبھی زیادہ بات چیت نہیں ہوئی تھی۔

روما کے مطابق وجہ علی کا سرد اکھڑا انداز اور خود کو کوئی بلا سمجھنا تھا۔

اس نے کبھی گھر آئی کسی لڑکی سے کلام نہیں کی تھی۔

اور یہ ہی وجہ تھی کہ وہ کبھی علی کو مخاطب نہ کرتی۔

اور زندگی میں پہلی مرتبہ آج وہ اس کے ساتھ بیٹھی بات کر رہی تھی تو کس لیے؟

"آپ اچھا نہیں کر رہے علی بھائی! مجھے بھی اپنے اس گناہ میں شریک کر رہے ہیں۔

مجھ سے تو آنٹی جو خفا ہوں گی سو ہوں گی مگر آپ کے ساتھ بہت زیادہ خفا ہوں گی۔ ابھی بھی وقت ہے سوچ لیں۔"

وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں قانونی طور پر نکاح کر رہا ہوں جو کہ گناہ نہیں ہے۔"

وہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

گاڑی مال کے سامنے رک چکی تھی۔

علی تیزی سے اترا اور اس کی جانب والا دروازہ کھول کر اپنا سپید بازو دروازے پر ٹکاتے ہوئے اس کی جانب جھکا۔

"میں کوئی گناہ نہیں کرنے جا رہا محترمہ روما! میں نکاح کرنے جا رہا ہوں جو کہ گناہ نہیں ہے۔ جانتی ہیں نا آپ؟"

ایک ایک لفظ سنجیدگی سے ادا کیا گیا۔

"ہاں مگر دیکھیں آپ ان محترمہ کو آنٹی کے پاس لے چلیں۔ میں بات کروں گی آنٹی سے۔"

وہ نرمی سے کہتی سر جھکا گئی تھی۔

"میری جانب دیکھو رومی! اور بتاؤ کہ اگر تمہاری محبت کسی اور سے محبت کرے تو تم کیا کرو گی؟"

اس کی ٹھنڈی پڑتی تھوڑی کے تلے شہادت کی انگلی رکھتے ہوئے چہرہ اوپر کو اٹھاتے ہوئے وہ گھمبیر لہجے میں گویا ہوا۔

یہ لہجہ علی خان کا تھا۔

یہ یقین کرنے کی خاطر اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں۔

علی کے سفید و گلابی چہرے پہ سجی بولتی آنکھیں جو کافی حد تک سرخ ہو چکی تھیں ان میں کیا جذبہ تھا وہ سمجھ نہیں سکی۔

"دنیا سے لڑ جاتی مگر اپنی محبت کو کسی اور کا نہ ہونے دیتی..... کبھی نہیں۔ کیونکہ میری محبت صرف میری ہے....."

اس نے اس کی آنکھوں میں ڈوبتے ہوئے ہموار لہجے میں جواب دیا۔

"کیا تم اپنی محبت کی خاطر اپنی محبت کی قربانی دو گی؟"

اس سوال پر اس نے سختی سے نفی میں سر ہلایا۔

"کبھی نہیں محبت میں نہ تو قربانی دی جاتی ہے۔

نہ ہی اس میں شریک برداشت ہوتا۔

محبت میں کوئی بہانے نہیں چلتے کوئی مجبوری راستہ نہیں روکتی۔محبت لاحاصل نہیں بلکہ حاصل کا نام ہے۔

اور میں یقین سے کہہ سکتی ہوں جو مجبوریاں.....قربانیاں گنواتے ہیں وہ محبت نہیں کرتے۔"

وہ کھوئے کھوئے انداز میں کہہ رہی تھی۔

نظریں جھکا کر اس کے سینے پہ چمکتے کالے اور گولڈن میٹل کے بٹنوں پہ آ ٹھہریں۔

وہ چاہ کر بھی اس کے چہرے کو نہیں دیکھ سکی تھی۔

"تو پھر میں کیسے اپنی محبت کو چھوڑ دوں۔چلو میرے ساتھ وہ میرا انتظار کر رہی ہے۔"

وہ مسکراتے پلٹ گیا جبکہ وہ اپنا سا منہ لیے اس کو جاتا دیکھتی رہ گئی۔

کچھ پل پہلے اپنے ہونٹوں سے ادا ہوئے لفظوں پہ وہ شرم سے سرخ پڑتی دل تھام کر رہ گئی۔

"وہ کچھ سمجھ گیا تو؟"

****

"شہروز!اٹھو اور جاؤ یہاں سے تمہاری بہت مہربانی ہو گی۔"

وہ جھک کر اس کا شانا جھنجھوڑتے ہوئے بیزاری سے گویا ہوئی۔

اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

"ایم سوری۔بہت تھک چکا تھا تو سو گیا۔"

آنکھیں رگڑ کر وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"تو اپنے گھر جا کر سوتے۔ نکلو یہاں سے۔"

وہ بھنویں اچکاتے ہوئے تنک کر کہتی واپس پلٹی۔

"ایک ہفتے بعد میری اور رومی کی شادی ہے آجانا میں تو آگیا نہ اب نفرت کو ختم کرنے کی باری آپ کی ہے میم۔"

شہروز نے اس کی دم پہ پھر سے پاؤں رکھا تھا۔

وہ تیزی سے پلٹی تو لمبے بال دائیں شانے پہ سامنے آگرے وہ آگے بڑھی اور اس کا گریبان تھام لیا۔

"اگر تم سے نفرت کرتی ہوتی تو میں یہاں تمہیں کبھی برداشت نہ کرتی۔"

اب آنسو بھی تھک ہار کر کہیں آنکھوں کے کسی بند کونے میں جا بیٹھے تھے۔

کہتے ہیں جب آنسو نہ آئیں تو پھر غصہ دبے قدم دل کی دہلیز پہ آجاتا ہے۔

وہ اسے جھنجھوڑتے ہوئے یہ بھول گئی تھی کہ شہروز اس کی سرخی مائل نگاہوں میں کھو چکا تھا۔

"تو نہ بلاتی مجھے۔ تب تو بہت رو رو کے میسج کر رہی تھی۔

تمہاری محبت کسی اور کی ہو جائے گی وغیرہ وغیرہ۔"

وہ اس کی نقل اتارتے ہوئے بولا۔

"اتنی بھی نفرت نہیں کرتی آپ میرا مطلب ہے..... تم سے۔"

"شادی ہونے والی ہے میری۔"

سحر نے اس کی ہنستی نگاہوں اور ہونٹوں کا مطلب سمجھتے ہوئے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں اس کے سامنے پھیلائیں۔

شہروز نے جھک کر اس کی مہندی دیکھی اور پھر ہنستے ہوئے صوفے پہ بیٹھ گیا۔

"شہروز! میری بات غور سے سنو!"

گلا کھنکار کر سینے پہ ہاتھ لپیٹ وہ اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"میں آپ سے نفرت نہیں کرتی۔اسکول میں....."

"شششش.....اسکول میں آپ نے جو بھی کیا میں نہیں بھولا۔

پر اب جب سب ٹھیک ہو گیا ہے تو.....آپ بھی اپنی نفرت تھوک دیں میم۔"

آخر میں وہ پھر سے اس کو غصے میں مبتلا کرنے والا فقرہ پیش کیا۔

"نفرت.....نفرت.....میں تم سے نفرت نہیں کرتی کتنی بار سمجھاؤں تمہیں۔نہیں کرتی میں تم سے نفرت۔"

وہ بالوں کو مٹھیوں میں جکڑے چلائی تھی۔

پھر ایک نظر دروازے پہ ڈالی اور آواز کو مدھم رکھا۔

"آئندہ ایسا کہا تو گلا کاٹ دوں گی۔"

جیسے ہی نظر ڈریسنگ پہ پڑے چاکو پہ پڑی تو وہ تیزی سے اسے اٹھا کر اس کی جانب بڑھی اور جھک کر اسے کچھ سمجھنے کا موقع دیئے بغیر اس کے گلے پہ الٹا چاکو رکھ دیا۔

"مار دو گی کیا؟"

شہروز کی آنکھیں پھیل گئیں۔ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولا۔

"ہاں.....اگر آئندہ ایسا کچھ بھی بولا تو یہ چھری تمہاری گردن پہ چل جائے گی۔"

سحر نے دانتوں پہ دانت جمائے موٹی موٹی آنکھوں کو مزید پھیلائے کہا۔

"اچھا اتنی نفرت کرتی ہو.....؟توبہ توبہ۔"

شہروز نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر گھمبیر سرگوشی کی۔

"افففف نہیں.....اللہ پوچھے گا تجھے۔"

سحر نے چاکو پھینکا اور پلٹنے ہی والی تھی کہ شہروز کے لفظوں نے اسے ساکت کر دیا

"تو پھر محبت کرتی ہو کیا؟"

اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔

شہروز نے اٹھتے ہوئے اس کا مہندی سے بھرا ہاتھ پکڑ کر تھوڑا اپنے قریب کیا۔

"میری شادی ہونے والی ہے شہروز خان!اور محبت تو میں تم سے کبھی بھی نہیں کرتی تھی۔"

اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا تو وہ استہزائیہ ہنس دیا۔

"تو پھر تمہارے ہاتھوں میں میرے نام کی مہندی کیوں لگی ہے؟جہاں شان خان ہونا چاہیے تھا وہاں شہروز خان کیوں ہے؟

اس نے اس کے ہاتھ جھنجھوڑتے ہوئے اس کی نگاہوں کے سامنے کیا۔

"یہ محبت ہی ہے سحر!جب مہندی والی نے تمہارے شوہر کا نام پوچھا تو تم نے میرا نام لیا۔

خود کو سزا مت دو سحر! میرے دل کے دروازے تمہارے لیے کھل گئے ہیں پلیز دہلیز پہ مت کھڑی رہو۔"

وہ بہت مدھم آواز میں کہہ رہا تھا۔

سحر نے سختی سے آنکھیں موند لیں۔

"میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں سحر!"

یہ روما کی آواز تھی جو اس کی زبان کو بند کرتی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"مجھے معلوم ہے تم پچھلے چار سال سے آنسو بہا رہی ہو صرف شہروز کے لیے۔ مگر یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔ کوئی ایک فیصلہ کرو یا وہ یا میں۔"

شان کی آواز جو خود میں سختی سموئے ہوئے تھی۔

اس نے کپکپی سی لی اور آنکھیں کھول کر پوری قوت سے اس کو کھینچتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھی۔

"نن نہیں شہروز خان! نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔"

وہ پیچھے ہٹنے لگی آنکھوں سے ایک مرتبہ پھر سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

وہ بیڈ پہ اوندھے منہ گری۔

"شہروز! پلیز چلے جاؤ۔"

سحر نے تکیے سے منہ اٹھا کر کہا اور پھر سے لیٹ گئی۔

"سحر! پلیز....." شہروز نے آگے قدم بڑھائے۔

"میرے نزدیک مت آنا۔مجھے چھونا مت.....کوئی حق نہیں ہے تمہیں۔

اب اچانک سے تمہیں کیوں میری فکر ستانے لگی ہے۔"

وہ پوری قوت سے چلائی تھی۔

"چار سال پہلے میری محبت کو رسوا کر کے چلے گئے تھے نا تم،اب میری شادی والے دن مجھے....."

وہ صرف سوچ سکی تھی۔

"تم جاؤ یہاں سے سمجھ نہیں آتی کیا؟بلاؤں علی بھائی کو؟"

وہ اٹھ کر اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور شیرنی کی مانند دھاڑی۔

"اوہ.....ریلکس جا رہا ہوں۔"

وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر استہزائیہ انداز میں ہنسا اور ایک ایک قدم پیچھے ہٹتا نفی میں سر ہلا کر ایڑھیوں پہ پلٹ گیا۔

"ایک بات کان کھول کر سن لو مس سحر خان!تم بہت خود پرست ہو۔

اب مجھ سے کبھی یہ توقع مت رکھنا کہ میں تمہارے پاس محبت کی بھیک مانگنے آؤں گا۔"

کنڈی کھولتے ہوئے اس نے پل بھر کو رک کر گردن گھما کے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور پھر اتنی تیزی سے وہاں سے چلا گیا۔

سحر جہاں کھڑی تھی وہاں ہی بھری بھری ریت کی مانند بکھرتی چلی گئی۔

اور یکدم سے اسکا سر چکرایا تھا اور وہ دھڑم سے زمین بوس ہو گئی۔

ہوش کی دنیا سے اس نے یوں ہی قدم اٹھایا تھا جیسے شہروز نے اس کی دہلیز سے قدم اٹھایا تھا۔

*****

وہ بے دلی سے ان دونوں کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔

"مجھے سمجھ کیا رکھا ہے اس نے؟ اس کی اتنی ہمت کہ یہ مجھے یہ...."

اس نے اپنے دائیں بائیں ہاتھ میں پکڑے ڈھیروں شاپنگ بیگ دیکھے اور پھر ایک زبردست گھوری علی اور ادیبا کو نوازی جو اب جیولری کی شاپ میں داخل ہو رہے تھے۔

"یہ سب اٹھوا رکھا ہے میں اس کی نوکرانی ہوں کیا؟ یہ خود کو سمجھتا کیا ہے؟ میں سحر نہیں جو اس کا ہر حکم مانوں گی۔"

وہ بیگ وہاں ہی پھینک کر ہاتھوں سے مصنوعی مٹی جھاڑتی ان کے پیچھے بڑھ گئی۔

"رومی! تمہاری بھابھی پہ کیسا لگ رہا ہے؟"

علی نے ادیبا کی پیشانی پہ بندیا سجاتے ہوئے استفسار کیا۔

اس نے ایک ٹھہری نظر ادیبا پہ ڈالتے ہوئے زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی۔

"بہت پیاری لگ رہی ہے۔"

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا۔"

اس کی بغلوں سے ہنسی کے گولے پھوٹ رہے تھے۔

"چوہیا لگ رہی ہے۔"

وہ منہ بسورے کاؤنٹر میں لگی جیولری دیکھنے لگی۔

علی نے چور نظروں سے اسے دیکھا اور جب اس کے پاس شاپنگ بیگ نہ پائے تو تیز لہجے میں گویا ہوا۔

"شاپنگ بیگز کہاں ہیں؟"

"تمہاری بیوی کے ہیں نا تو وہ اٹھائے۔"

وہ بجلی کی پھرتی سے اس کی جانب بڑھی اور پھر تیزی سے کہہ کر وہاں سے جانے ہی والی تھی کہ علی نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

وہ دھڑکتے دل کو تھام کر رہ گئی۔

کسٹمرز اور سیلز مین ان کی جانب دیکھ دیکھ کر رخ پھیر رہے تھے۔

"چ چھوڑیں علی بھائی!"

وہ اپنی کلائی اس کی گرفت سے نکالنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے منمنائی۔

"علی.....! چھوڑو اسے لوگ دیکھ رہے ہیں۔"

جب وہ ہنوز اسے دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھامے کھڑا رہا تو ادیبا آگے بڑھی اور سختی سے اس کے پاس جا کر سرگوشی کی۔

ایک نظر رومی پہ ڈالی جس کی آنکھوں میں بے شمار آنسو چمکنے لگے تھے۔چند ایک رخسار پہ بھی بکھرے تھے۔

"علی! اسے چھوڑو۔کیا ہو گیا ہے تمہیں.... چھوڑو۔" ادیبا نے اس کے بازو کو پیچھے کھینچتے ہوئے دانتوں پہ دانت جمائے۔

"شیٹ اپ جسٹ شیٹ اپ۔"

اس نے انگلی اٹھاتے ہوئے ادیبا کو ٹوکا تھا۔

آواز اتنی اونچی تو ضرور تھی کہ رومی کانپ کر دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

"کیا پرابلم ہے تم لوگ اپنا کام کرو۔ میری ازدواجی زندگی میں کیوں جھانک رہے ہو۔"

اس نے سرخ آنکھوں کو اٹھاتے ہوئے آس پاس دیکھا۔

ایک ایک پل میں اس کی پکڑ روما کے ہاتھ پہ مضبوط ہو رہی تھی۔

"اس لڑکی کے آنسوؤں پہ مت جاؤ ادیبا!

اور تم ڈرامے بند کرو چلو میرے ساتھ۔"

وہ اسے کھینچتے ہوئے چل دیا۔

وہ تقریباً گھسیٹتے ہوئے اس کے ساتھ جا رہی تھی۔

ریشمی آنچل بھی زمین بوس ہو چکا تھا کمر پہ بکھرے اسٹیپ کٹنگ بال جن کو سٹریٹ کیا گیا تھا

اب دائیں بائیں شانے پہ بکھرے ہوئے تھے، تو کچھ اس کے چہرے پر۔

"ع علی! م مجھے۔"

وہ سیڑھاں اترنے لگا تو اس نے ریلنگ کو تھام لیا اس نے جب سر اٹھایا تو وہ اٹک اٹک کر پھر

خاموش ہوئی اور سر نفی میں ہلایا۔

مگر وہ وحشیانہ روپ اختیار کر چکا تھا۔

بنا کچھ سنے ہی وہ اسے گھسیٹتے ہوئے مال سے باہر نکلا۔

ادیبا نا سمجھی کے عالم میں شاپنگ بیگ اور روما کا دوپٹہ اٹھائے ان کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔

علی نے اسے گاڑی کے پاس جا کر دھکا

دے کر چھوڑا تھا وہ گاڑی کے فونٹ پہ بری طرح منہ کے بل گری۔

"علی! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کیا کر رہے ہو تم؟"

وہ جو اس کے سر پہ پہنچ چکا تھا اور اس کو بالوں سے نوچ کر اپنی جانب گھماتے ہوئے تھپڑ رسید

کرنے والا تھا ادیبا نے پہنچتے ہی اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تم جانتی نہیں ہو اس لڑکی کو ادیبا! یہ جتنی معصوم نظر آتی ہے، ہے نہیں۔

میرے بہنوئی اور میرے کزن کے ساتھ اس کا چکر چل رہا ہے۔"

اس نے جو کہا تھا روما نے دھندلاتی آنکھوں سمیت اسے خوف سے دیکھا۔

"واٹ؟"

وہ حیرت سے روما کو تکنے لگی جو علی کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھامے اپنا آپ آزاد

کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"جی ہاں۔ میں اسے اس لیے ہی تو اپنے ساتھ لایا ہوں کہ اسے بھی معلوم ہو کہ مرد کوئی کٹھ

پتلیاں نہیں ہوتے جن کو اپنے اشاروں پہ نچایا جائے۔"

وہ تمسخر اڑانے والے انداز میں کہتے ہوئے اسے گاڑی تک لے گیا اور فرنٹ سیٹ پہ پھینک کر

ڈرائیونگ سیٹ کی جانب بڑھا۔

"علی! پلیز کچھ مت کرنا۔ پھنس مت جانا یا یہ نہ ہو کہ بعد میں پچھتاؤ۔"

ادیبا نے آگے بڑھنے کی کوشش کی مگر جب علی نے پلٹ کر اسے گھورا تو وہ وہاں ہی رک گئی۔
جانتی تھی علی کے غصے کو کہ جب اسے آئے تو وہ دنیا تحس نہس بھی کر سکتا ہے۔
"تم یہ لے کر گھر جاؤ پھر ملاقات ہو گی۔"
اس نے کہا اور الوداعی نگاہ ادیبا پہ ڈالتا گاڑی بھگا لے گیا۔

جاں لے کر بھی نہ راضی ہوتا ہے
ظلمی ہے نہ کوئی تجھ سا دوسرا

"میں نے کچھ نہیں کیا علی بھا!"
"شیٹ اپ..... بھائی لفظ منہ سے مت نکالنا۔اب تک تو برداشت کرتا آیا اب مزید نہیں۔"
وہ چلایا تھا۔
وہ چکراتے سر کو تھام کر بیٹھنے کی کوشش کرنے لگی مگر ناکام رہی۔
سر سیٹ کی پشت پہ گراتے ہوئے آنکھیں موند گئی۔
"اس دن جب تم شان کے ساتھ ہوٹل میں جا رہی تھی لنچ کر رہی تھی تب میں وہاں ہی تھا۔"
اس نے اسے یاد کروایا تو روما کا دل مزید کھائی میں جا گرا وہ ہونٹ اور پیشانی سے بہہ رہے خون کو صاف کرتی اس کی جانب آنسو سے لبریز نگاہوں سے دیکھنے لگی۔
"اس کے بعد جو شہروز اور تمہارے درمیان چل رہا ہے وہ مجھ سے مخفی نہیں ہے مس روما!"

وہ اتنے کاٹ دار لہجے میں گویا ہوا کہ رومی کو لگا اس کے لہجے کی زہر اس کے دل میں اتر رہی ہے۔

"علی خان! آپ ایک مرتبہ میری بات تو سن لیں۔ میں...."

اس نے اپنی وضاحت پیش کرنی چاہی مگر علی نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"اس دن تم شان کے ساتھ ہوٹل گئی تھی یا نہیں؟

بس ہاں یا ناں؟"

گاڑی سنسنان سڑک پہ رکی تھی۔

ہر سو اندھیرا ہی اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔

کچی سڑک کے دونوں جانب دور دور تک فصلیں تھیں۔

اس کا پورا وجود خوف سے کانپ گیا۔

ایک پل کو نفی میں سر ہلایا مگر پھر آنکھیں سختی سے موندے آنسو بہاتی اثبات میں سر ہلا گئی۔

"اور شہروز کے ساتھ بھی کوئی معاملہ چل رہا ہے؟

ہاں یا ناں؟"

دونوں ہاتھوں کو اس کی جانب والے دروازے پر ٹکا کر اس پہ جھکتے ہوئے اتنے تو سخت لہجے میں بولا کہ اس نازک سی لڑکی کی ہتھیلیاں پسینے سے شرابور ہونے لگیں۔

ڈرتے ہوئے اس نے پھر سے اثبات میں سر ہلایا۔

"جو بھی میں اب تک دیکھتا آیا ہوں وہ سچ ہے؟"

ایک سنسنی خیز سوال پھر سے کیا گیا۔

"ج جو آپ نے دیکھا وہ س سچ ت تو ہے م مگر....."

"مگر کیا؟ یہ ہی کہ تم نے دونوں کو اپنے ہاتھ میں کیے ہوا ہے؟"

وہ اس کے بال نوچتے ہوئے بولا۔

وہ درد کی شدت سے سسک اٹھی۔

"خان....! پلیز ایسا مت کریں میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔"

وہ اس کے گرم شعلے کی مانند دہکتے ہاتھ پہ پسینے میں ڈوبا ہاتھ رکھتے ہوئے کانپتی آنسوؤں بھری آواز میں بولی۔

"تو اب تک حدیثیں پڑھتی رہی ہو؟"

اس کا ہاتھ سختی سے جھٹکتے ہوئے وہ دھاڑا تھا۔

رومانے دونوں ہاتھوں کو کانوں پہ رکھا اور پیچھے کو دبکی۔

"آئندہ مجھے تمم..... سحر، شہروز، شان.....ان تینوں کے آس پاس دکھائی مت دینا۔ وگرنہ...."

کانپتے ہاتھ کو ڈیشٹ بورٹ پہ مار کر پستول اُٹھاتے ہوئے اس کی شہ رگ پہ رکھا۔

وہ ایک سانس لے کر دم روکے اسے بے یقینی سے تکنے لگی۔

وہ اس کی آنکھوں کی بے یقینی اور ڈر کو محسوس کرتے ہوئے پیچھے ہٹا۔

"یہ سنسنان جگہ ہے....."

وہ سامنے گہرے سیاہ اندھیرے کو دیکھتے ہوئے تمسخر اڑانے والی مسکراہٹ لیے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

"یہاں اکثر لوٹ مار، خون خرابا ہوتا ہوتا رہتا ہے۔اب..... تمہیں بھی معلوم ہو گا کہ لوگوں کو دھوکہ دینے کا انجام کیا ہوتا ہے۔

نکلو۔"

جھک کر اس کی جانب والا دروازہ کھول کر وہ ناک کی لو چھوتے ہوئے سختی سے بولا۔

وہ ہراساں سی دل تھامے رونے لگی۔

"ن نہیں خان! پلیز ایسا مت کرو۔"

"کیوں بے بی کیوں نہ کروں؟ میں بھی تمہارا دیوانہ بن جاؤں۔ مگر میں نہ ہی تو شان خان ہوں نہ شہروز خان۔

علی خان میرا نام ہے۔اور تم جانتی ہو تمہیں یہاں کیوں لایا تھا؟"

اس کے حنائی ہاتھ تھامتے ہوئے وہ اس کی مہندی دیکھ رہا تھا۔

وہ نفی میں سر ہلاتی پیچھے کو دبکی۔

"تاکہ تمہیں معلوم ہو سکے کہ اب میرے کزنز کے آس پاس تمہاری پرچھائی بھی نظر آئی تو یہ علی خان تمہیں چھوڑنے والا نہیں ہے۔ مگر شاید تم سوچ رہی تھی کہ علی خان کو بھی تم نے اپنی اداؤں سے لبھا لیا۔

ہا.....بچاری چچ چچ۔"

وہ مصنوعی مسکراہٹ لیے اس کے چمکتے ریشمی بالوں کو چہرے سے ہٹا کر کان کے پیچھے کرتے ہوئے گویا ہوا۔

"اب نکلو میری گاڑی سے۔"

وہ اس کا ہاتھ سختی سے جھٹک اب سیٹ بیلٹ کھول رہا تھا۔

"مجھ پہ رحم کرو علی خان! میں اتنی رات کے وقت یہاں؟ نہیں پلیز....."

وہ اس کے سامنے کانپتے ہاتھ جوڑ گئی۔

پل بھر کو تو علی خان اس کے آنسوؤں میں الجھا مگر دوسرے ہی پل گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔

رومانے ایک نظر سامنے سے گزر کر اس کی جانب آتے علی کو دیکھا اور پھر تیزی سے ٹیش بورڈ پہ پڑے ریوالور کو اٹھایا۔

وہ جب اسے بازو سے کھینچ کر باہر پھینکنے لگا تو رومی نے گرنے سے بچنے کی خاطر اس کے شانے پہ ہاتھ مضبوطی سے جمایا اور ریوالور اس کی کنپٹی پہ رکھ دیا۔

"تم نے پوچھا تھا نہ کہ محبت میں محبت کی قربانی دینی چاہیے؟ تو ہاں علی خان! مجھے لگتا ہے جب تم جیسے مرد عورت پہ یقین نہیں کرتے تو اسے اپنی قربانی دینی پڑتی ہے۔"

شانے والا ہاتھ ڈھلک کر گریبان پہ آیا تھا اور وہ حیران سا اسے دیکھے گیا۔

بازی اتنی جلدی پلٹ جائے گی وہ حیران و پریشاں رہ گیا۔

"علی خان! تم سے محبت میری بھول تھی۔اس مرد سے کیا محبت کرنی جو یقین کرنے کی صلاحیت ہی نہ رکھتا ہو۔

مجھے دکھ ہوتا ہے کہ تم میری محبت....."

"تم...."

علی نے اس کی بات کاٹی مگر اس نے ریوالور اس کے سینے پہ رکھتے ہوئے دبایا تو وہ خاموش ہو گیا۔

"نہیں علی خان! بس بہت سن لیا اور سمجھ لیا تمہیں، اب میں تمہیں سناؤں گی اور تمہیں سننا ہو گا۔"

وہ دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

"یہ ہمت بھی تم نے ہی مجھے دی ہے کہ میں تمہارے سامنے اظہارِ محبت کر رہی ہوں۔ وگرنہ میں ہمیشہ ہی تم سے ڈر کر رہتی تھی۔

جب مرد عورت پہ ہاتھ اٹھاتا ہے نا تو وہ اپنی عزت عورت کے دل سے ہمیشہ کے لیے کھو دیتا ہے..... مگر میں اب بھی تمہاری اتنی ہی عزت کرتی ہوں مگر ڈرتی نہیں ہوں اب۔اس ایک تھپڑ نے...."

رخسار سے بالوں کو سمیٹ کر اس نے علی خان کو اس کا چھپا ہوا ہاتھ دکھایا تھا۔

"اس تھپڑ نے سارا ڈر دور کر دیا۔

اب میں تمہیں کچھ بھی کہوں....اظہارِ محبت بھی کروں تو تم کیا کرو گے؟

مارو گے بس؟"

وہ آنسوؤں کو رگڑ کر بولی تھی۔

علی خان پسلیوں پہ ہاتھ ٹکائے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"مگر میں یوں اظہار نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اپنی بے پناہ چاہتوں کا اعتراف چاہت سے کرنا چاہتی تھی۔

میں آپ کی جوگن ہوں یہ گھبراتے ہوئے شرماتے ہوئے کرنا چاہتی تھی مگر نہیں جی....."

اشارہ ریوالور کی جانب تھا۔

وہ اس کی آنکھوں میں ہی دیکھ رہا تھا تو کبھی اس کے طنزیہ ہنستے ہونٹوں کی جانب۔

"تمہیں میرا شریف اظہار نہیں چاہیے تھا۔

تو میں اعتراف کرتی ہوں علی خان!"

وہ قدم قدم اٹھاتی اس تک آئی تھی اور ریوالور اس کی کنپٹی پر رکھتے ہوئے بولی۔

پھر عجیب سی مسکراہٹ لیے جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔

"تم مجھے اپنے ساتھ صرف اس لیے لائے کہ مجھے تشدد کا نشانہ بناؤ گے۔ مگر میں تمہارے ساتھ اس لیے آئی کہ.....زندگی میں پہلی مرتبہ.....پہلی مرتبہ علی خان! کے ساتھ باہر جا رہی ہوں۔اور تم ٹھیک سوچ رہے تھے مجھے لگا تھا کہ تم میری اداؤں کے دیوانے ہو چکے ہو۔ مگر یہ میری سوچ تھی۔

اور تم جانتے ہو....."

وہ پاگل سی لگ رہی تھی ہنستے ہوئے روتے ہوئے۔

اس پہ ہنستے ہوئے وہ اسے زہر سے کم نہیں لگ رہی تھی۔

"تم جانتے ہو تمہاری شادی کے متعلق سن کر مجھے اچھا نہیں لگا۔ کیوں کہ تم سے میں نے تب سے محبت کی ہے جب سے ہوش سنبھالا ہے۔

خیر جب تم مجھے مجرم قرار دے ہی چکے ہو تو اپنے ہاتھوں سے مار دو۔ کیونکہ واحد ایک شخص تم ہو جس کی نگاہوں میں خود کے لیے نفرت نہیں دیکھ سکتی۔"

وہ اس کی جانب ریوالور بڑھاتے ہوئے آنسوؤں کو رگڑ گویا ہوئی۔

"تم نے مجھے بیوقوف سمجھ رکھا ہے کیا؟"

علی ہنستے ہوئے اس تک پہنچا اور اس کا منہ ہاتھ میں جکڑے دانتوں پہ دانت جمائے گویا ہوا۔

"نہیں تم ہو ہی بیوقوف۔"

وہ اس کے ہاتھ کو پیچھے دھکیلنے کی خاطر اپنا پورا زور لگا رہی تھی۔

"دیکھتا ہوں کیسے بچو گی یہاں سے۔"

اسے شانے سے دبوچ کر ایک جانب پھینکتے ہوئے وہ گاڑی کی جانب بڑھی۔

وہ زمین بوس ہو چکی تھی۔

ہاتھ کو بیری کے کانٹوں نے بری طرح زخمی کیا وہ آہ بھر کے سیدھی ہوئی۔

"یہ تو بتاتے جاؤ کس سے شادی کر رہے ہو۔

آنٹی کی پسند سے یا اس چھپکلی سے۔

خیر ایک بات یاد رکھنا علی خان! مجھ سے زیادہ محبت کوئی بھی لڑکی تم سے نہیں کر سکتی۔"

وہ پاگل پن کا مظاہرہ کرتی قہقہہ لگا کر بولی۔

اس نے بیک مرر سے اسے تمسخر اڑاتی نگاہوں سے دیکھا اور نفی میں سر جھٹک گاڑی سٹارٹ کی اور پیچھے بس اپنے پیچھے اپنی گاڑی کا دھواں چھوڑ گیا۔

وہ وہاں ہی بیٹھی کتنے ہی پل رفتہ رفتہ دور جاتی گاڑی کو دیکھ رہی تھی۔

جب گاڑی آنکھوں سے اوجھل ہوئی تو اسے چاروں اطراف پھیلے گہرے اندھیرے کا احساس ہوا۔ گھٹنوں میں سر دے خود کو اور اپنے ننگے سر کو چھپا گئی۔

اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ علی خان اسے ذلیل کر کے چھوڑ جائے گا۔

اسے یقین تھا محبت پہ....

اپنی محبت پہ۔

وہ مانتی تھی کہ اللہ سچی کھری محبتوں کو منزلیں ضرور دیتا ہے مگر کہیں نہ کہیں اس کی محبت میں بھی کمی رہ گئی تھی۔

جانے والے نے اس پہ ایسے الزامات لگائے تھے کہ وہ اگر کوئی عام چھوٹے دل والی لڑکی ہوتی تو خود کو ختم کر دیتی مگر اس رات کی سیاہی میں وہ بھی ایک خطرناک جگہ پہ وہ خود کو ختم کرتی یا نہ کرتی ایک برابر تھا۔

"جب بنا محنت کے انسان گردن اکڑا لے کہ جو اس نے سچے دل سے چاہا ہے وہ اسے ملے گا۔ پھر وہ نہیں ملتا..... کیونکہ انسان خود پہ یقین کرتا ہے مگر اللہ سے اپنی قیمتی شے نہیں مانگتا۔"

وہ اٹھی تو اسے محسوس ہوا اس کے پیروں میں بھی وہی کانٹے لگے ہیں جو ہاتھوں کو زخمی کر گئے تھے۔

وہ پھر سے وہاں ہی بیٹھ گئی۔

"شاید میں نے بھی یہ ہی کیا۔

کاش میں اک مرتبہ اسے اس ڈر سے خدا سے مانگتی کہ کبھی وہ یوں بیچ راستے مجھے چھوڑ کر نہ جائے۔ مگر میں نے اسے مانگا کب تھا۔"

وہ سوچتے ہوئے اٹھنے ہی لگی تھی کہ ٹھیک اسی وقت پیچھے سے ایک گاڑی کی روشنی اس کے قریب آتی محسوس ہوئی۔

درد کی ایک لہر سر میں دوڑ گئی۔

اس نے چکراتے سر کو بمشکل تھاما تھا اور لڑکھڑا کر اٹھی مگر توازن برقرار نہ رکھ سکی اور رفتہ رفتہ قریب آتی اپنی موت کو دیکھتی۔

منڈیر سے پھسل کر سڑک سے نیچے فصلوں میں گر گئی۔

"اللہ مجھے بچا لے۔"

اس نے تاروں سے سجے آسمان کو دیکھتے ہوئے دعا کی اور ہوش کی دنیا سے بیگانی ہو گئی۔

****

بارات آنے والی تھی۔اسے ہوش تو تھا پر یہ نہیں معلوم تھا کیا ہو رہا ہے۔

بے نیاز سی وہ خود کو شیشے میں تک رہی تھی کہ شہروز نے دروازے پہ دستک دی۔

وہ تیزی سے کرسی سے اٹھ کر اس کی جانب گھومی تھی۔

وہ کالے رنگ کی شیروانی جس پہ گولڈن کام تھا زیب تن کیے۔آستینوں کو یوں کہنیوں تک اوپر کر رکھا تھا جیسے کام کرتا رہا ہو۔

سیاہ بال پف کی شکل میں پیشانی پہ بکھرے تھے سیاہ چمکتی آنکھیں اور مسکراتے ہونٹوں سمیت وہ اسے خاموش نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

سحر لب بھینچے پلٹ کر صوفے پہ جا بیٹھی تو شہروز دروازہ بند کرتے ہوئے اس کے سامنے کرسی کھینچ کر تھوڑی تلے ہاتھ جمائے بیٹھ اسے دیکھنے لگا۔

خوبصورتی کی وہ مورت لڑکی آج قدرِ زیادہ ہی خوبصورت لگ رہی تھی۔

سولہ سنگار کیے سرخ عروسی جوڑا زیب تن کیے اس کو ہوش کی دنیا سے دھکیلنے میں کامیاب ہو رہی تھی۔

شہروز کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگی تھیں۔

تبھی وہ اس کی نگاہوں کی تپش محسوس کرتے ہوئے گویا ہوئی۔

"مجھے شان سے بات کرنی ہے پلیز اسے بلا دو۔"

شہروز کو دیکھے بغیر اس نے اٹکتے ہوئے کہا

"اے لڑکی۔شرم کرو شادی سے پہلے شوہر کو نہیں دیکھتے۔اور وہ یہاں نہیں ہے اپنے گھر ہے بارات تیار ہو رہی ہے۔اور یہ رونی نظر نہیں آ رہی۔"شہروز چونکتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ایکچلی میں یہاں اس لیے آیا کہ اسے دیکھ سکوں۔"

وہ خود کو سنبھال چکا تھا۔

"معلوم نہیں۔مجھ سے کیوں پوچھتے ہو۔باہر ہو گی۔"

سحر نے نظریں جھکا لیں۔عروسی جوڑے میں وہ پری لگ رہی تھی بالوں کو جوڑا بنایا ہوا تھا۔ناک میں نوز پن تھی جو ہونٹ پہ بنے تل کے ساتھ مزید خوب ہو چکی تھی۔

"ہٹو سامنے سے۔"

وہ جو کچھ دیر پہلے پھر سے اس کی جانب دل کو کھینچتا محسوس کر رہی تھی اپنے جذبات پہ قابو پاتی اٹھی اور اسے ایک جانب دھکیل شیشے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"سحری!تم بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔کاش میں تمہیں اٹھا کر لے جاؤں پر....."

شہروز اس کے پیچھے کھڑا ہوتے ہوئے گویا ہوا وہ جو جان بوجھ کر اپنی ماتھا پٹی کو درست کر رہی تھی پٹ سے آنکھیں اٹھا اسے اپنے پیچھے دیکھ لال گلابی ہوتی گئی۔

"پر تم بہت بھاری ہو،اور ویسے بھی مجھ سے میچ نہیں کرتی۔میرا مقام بھی تم سے بہت اونچا ہے۔"

شہروز نے افسردگی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا تو سحر نے بوریت سے چہرے کے زاویے بگاڑے۔

"چلو میں پھر چلتا ہوں۔

شادی مبارک ہو میری میم۔" شہروز نے اس کی جانب اپنا ہاتھ بڑھایا۔

اس نے پلٹ کر اس کے ہاتھ کی جانب تنقیدی نگاہ ڈالی۔

سفید کلائی میں پہنے والی گھڑی بہت جچ لگ رہی تھی مگر آج وہ ہاتھ اسے اپنی جانب بڑھا اچھا نہیں لگا تھا۔

بنا ہاتھ تھامے وہ سر جھکا لیا۔

"خیر مبارک۔" اس نے منہ موڑ لیا۔

شہروز خجل سو ہو کر ہاتھ کھینچ کر دلکشی سے مسکراتا باہر چلا گیا۔

"اللہ مجھے سکون دے۔

میں شہروز خان کو دل کی سلطنت کے تخت سے ہٹانا چاہتی ہوں۔

اس کی درد کی زنجیروں سے رہائی چاہتی ہوں۔ میری مدد کر میرے اللہ۔

جو بہتر ہے وہ کر دے اور مجھے اس بہتری کو تسلیم کرنے کی ہمت عطا فرما دے۔"

اس نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے دعا کی اپنے لیے رومی کے لیے۔

شان کے لیے شہروز کے لیے کیونکہ اس کی زندگی سے سب زندگیاں جڑی ہوئی تھیں۔

مگر وہ تو ہار چکی تھی، اس نے شہروز خان کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے..... وہ ہتھیاروں سے لیس تھی پر شہروز پہ ایک وار بھی نہ کر سکی۔

وہ بار بار وار کر رہا تھا پر اس نے تو پہلے سے ہی چار سال.....پہلے اس کے سامنے ہار مان لی تھی۔

انا پہ دل حاوی ہو گیا تھا۔ محبت جیت گئی تھی مگر جیت کے بھی وہ اپنے دل کی سلطنت اجاڑ چکی تھی۔

سب کچھ الٹا ہو رہا تھا۔ اسے دیکھ دل دھڑکنے لگتا۔

وہ قریب نہ ہوتا تو اتنی آہستہ دھڑکن ہوتی کہ وہ سن بھی نہ سکتی۔

آخر وہ ٹائم آ گیا جب اس کے دل کی دھڑکنیں روکنے کو تھیں۔

مولوی صاحب اور ساتھ میں کچھ آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔

ماں خالہ بھی تھیں۔

"ماما! روما.....وہ کہاں ہے؟"

گھونگھٹ اٹھاتے ہوئے اس نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں۔

ماما نے ایک سخت اور افسوس بھری نگاہ کمرے میں داخل ہوتے اپنے خوبرو بیٹے پہ ڈالی اور پھر ناراضگی سے رخ پھیر اس کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"وہ اپنے گھر ہے ان کے گھر مہمان آئے ہوئے ہیں۔

روما کی بھی شادی کی تاریخ مانگنے آئے ہوئے ہیں اس کے دودھیال والے۔ تم نکاح پڑھو بارات انتظار کر رہی ہے۔"

اس کا گھونگھٹ چہرے پر ڈالتی وہ پلٹ گئیں۔

"شادی کی تاریخ..... شہروز خان! تمہاری زندگی میں بھی طوفان آنے والا ہے۔"

اس کی پہلے ہی حالت غیر تھی۔

نکاح پڑھایا جارہا تھا پر اسے ہوش نہیں تھا۔

"اس کی شادی کی تاریخ مانگنے آئے ہوئے ہیں۔"

کوثر بیگم کے یہ الفاظ اس کی سماعتوں سے بار بار ٹکرا رہے تھے

"بیٹا! بولو قبول ہے کیا، مولوی صاحب انتظار کر رہے ہیں۔" ماں نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"شہروز خان! میرے دل میں آپ ہمیشہ آباد رہیں گے شاید....."

اس کا دھیان شہروز خان میں ہی اٹکا تھا۔ بار بار وہ دلفریب مسکراہٹ اور حسین چاند سا سراپا آنکھوں کے سامنے آ ٹھہرتا۔

مولوی صاحب نے پھر سے اپنے جملے دوہرائے۔

"ق قبول ہے۔" بمشکل اس نے کہا اور کانپتے ہاتھ سائن کیے۔

"شہروز خان!" اس کے دل میں درد کی لہر دوڑ گئی تھی۔ پین چھوٹ کر زمین بوس ہو گا اور وہ لڑکھڑا کر ساتھ بیٹھی ماں کے شانے سے جا لگی۔

سب پریشان ہو چکے تھے۔

علی خان بھاگ کر اپنی بہن کے پاس آیا مگر کوثر بیگم نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

وہ اپنا بڑھا ہوا ہاتھ کھینچ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

مٹھیاں بھینچے وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔

••••••••••••

جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ پھولوں سے سجے بیڈ پر لیٹی تھی۔ سر کو پکڑ کے اس نے آنکھیں پھر بند کر لیں۔

یکدم اس کے ذہن میں دھماکے ہونے لگے تھے۔

"شہروز.....نہیں نہیں۔

یہ تو بس میری غلط فہمی ہے وہ.....وہ تو رومی سے محبت کرتا ہے۔

اور میری تو شان سے۔" وہ کمرے کا جائزہ لینے لگی۔

کسی فائو اسٹار کا خوبصورت سا کمرہ تھا یہ۔

سارا کمرہ سرخ پھولوں سے سجا ہوا تھا۔

شیشے کی میز پہ کرسٹل کے بڑے اور درمیانے پھر چھوٹے سائز کے تین موم بتی دان رکھے گئے تھے۔

جس میں موم بتیاں روشن تھیں۔

ناک سے پھولوں کی خوشبو سیدھی دماغ میں داخل ہو رہی تھی۔

وہ سختی سے نفی میں سر ہلاتی اپنا لہنگا سنبھالتی ننگے پاؤں بیڈ سے اتر کر بھاگنے ہی والی تھی پر کسی نے بہت مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"اب نہیں جانے دوں گا..... کبھی بھی نہیں جانے دوں گا۔بہت مشکل سے حاصل کیا ہے تمہیں۔"

وہ دیوانگی کی کیفیت میں گھمبیر لہجے میں گویا ہوا۔

سحر کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"ت تم یہاں کیا کر رہے ہو جاؤ یہاں سے۔شان آنے والا ہو گا۔ہر جگہ مت پہنچ جایا کرو۔یہ تمہاری خالہ کا گھر نہیں ہے۔جہاں تم جب چاہو آ جاؤ۔"

وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی اور اسے خود سے دور دھکیل کر خوف زدہ سی لہنگا سنبھالتی پیچھے ہٹنے لگی۔

"تم میری ہو سحر خان! یہاں تمہارے اور میرے سوا کوئی بھی نہیں آ سکتا۔

پاگل ہی کوئی ہو گا جو دولہا دلہن کے کمرے میں آئے گا۔"

وہ اس کی جانب بڑھا اور اس کو شانوں سے تھام کر شریر لہجے میں کہتے ہوئے اسے سینے سے لگا لیا۔

"شہروز.....!"اس کی ساری ہمت جواب دے گئی تھی۔

سرگوشی میں اسے پکارتے ہوئے وہ خود کو سنبھالنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

شہروز نے اسے خود سے جدا کیا اور بیڈ پہ بیٹھا کر خود بھی اس کے عقب میں بیٹھ گیا۔

"تم اور میں اب ہم بن گئے ہیں۔مسز شہروز خان! اب تم میری ہو اور میں تمہارا۔"

وہ اس کا حنائی ہاتھ تھامے جذبات سے لبریز نگاہوں اور لہجوں سے بول رہا تھا۔

سحر نے بے انتہا چونک کر اسے دیکھا تو اس کی محبتوں کی شدت کی تاب نہ لاتے ہوئے سر جھکا گئی۔

"ت تم یہ کیا کر رہے ہو؟

شہروز اس کے گھبرائے ہوئے انداز سے محضوظ ہوتا اس کے جھمکے اتارنے لگا تو وہ خود میں سمٹ گئی۔

"روکو.... تو لگ جائے گا تمہیں۔"

اس نے کہا اور تھوڑا آگے کو جھک کے جھمکا اتارنے لگا۔

سحر نے سختی سے پھولوں سے لدی ہوئی بیڈ شیٹ تھام کر آنکھیں میچ لیں۔

وہ سوچ رہی تھی کہ قدرت اتنی مہرباں ہو گئی اس پہ۔

"ڈر کیوں رہی ہو؟

تمہارا شوہر ہوں یار! بس کر دو اب سحر!"

اس نے اس کے ہاتھ پر ہونٹ رکھ کر دیئے۔

"شوہر پر وہ وہ..... شان.....؟ روما.....؟"

سحر حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی۔

یقین تو ہو چکا تھا کہ اس کی محبت حاصل ہے۔

مگر اب فکر تھی تو شان اور رومی کی۔

"مجھے معلوم نہیں تھا تمہیں مجھ سے اس حد تک محبت ہے۔

اتنا تو جانتا تھا ہر لڑکی دل دے بیٹھتی ہے شہروز خان کو پر میم سحر بھی...."وہ آنکھیں پھیلائے اسے شرارتی سی مسکان کے ساتھ دیکھنے لگا تو وہ خفگی سے منہ پھیر گئی۔

"چار سال میں نے تمہارے بغیر کیسے گزارے ہیں تم جانتی نہیں ہو۔"

"اب تم بھاگنا چاہتی ہو۔

چار سال ایک ایک پل ایک سیکنڈ میں نے اس دن کا انتظار کیا ہے اور تم اب میری دسترس سے باہر نکل جانا چاہتی ہو؟"

اسے دونوں شانوں سے تھام کر اپنی جانب کھینچتے ہوئے وہ مصنوعی غصے سے بولا۔

سحر نے بس ایک پل کو نگاہیں اس کے چہرے پہ ڈالی تھیں۔

"شہروز! رومی تم سے محبت کرتی ہے۔

اور تم....."اس سے پہلے وہ کچھ اور بولتی شہروز نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی۔

"وہ سب ہمارا پلان تھا۔

وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی نہ ہی میں اس سے.....میں تو صرف تم سے محبت کرتا ہوں۔"

شہروز نے آنکھ دبا کر کہا تو

اسے ایک اور شاکڈ لگا۔

"پلان؟ کیسا پلان....؟"

"ہاں..."

"پپ پر کیوں.....؟"اس نے سنجیدگی سے تیکھے لہجے میں استفسار کیا۔

"تو سنو!

تم مجھے بچپن سے ذلیل کرتی آرہی ہو تو کچھ حق تو میرا بھی بنتا تھا۔"

اس نے کہنی بیڈ پہ ٹکائی،اس کے سامنے آڑھا ترچھا لیٹ گیا۔

"محبت تو تم کرتی ہو یہ تو مجھے معلوم تھا پر اتنی زیادہ یہ مجھے رومانے بتایا۔

مجھے تب صرف تم سے اپنے زخموں کا بدلہ۔لینا تھا سو میں نے ایک پلان بنایا۔"

اس نے نظریں جھکالی تھیں کیونکہ سحر کن نگاہوں سے اسے دیکھے جارہی تھی۔

"میں نے اس سے کہا کہ اگر وہ میری مدد کرے گی تو اس طرح میرے اور تمہارے درمیان محبت بڑھے گی۔

اور پھر ہمارے گھر والوں میں بھی پیچ_اپ ہو جائے گا۔اور اس نے سوچ سمجھ کر ہاں میں جواب دیا۔"

"مطلب تم نے اس سے بھی جھوٹ بولا؟"

وہ صدمے کی کیفیت میں مبتلا ہو چکی تھی۔

"اب چپ چاپ میری بات سنو گی۔"

اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"بات نہیں ذلالت.....فساد اور درد جو تم....."

"چپ چاپ اب میری سن لو۔میں نہیں چاہتا آنے والی ہماری زندگی میں کوئی نفرت یا غلط فہمی ہو۔مجھے بس محبت چاہیے۔"

وہ اس کی جانب جھکتے ہوئے بولا تو وہ اس کی اتنی قربت پہ بس سر ہلا کر رہ گئی۔

وہ بھی پیچھے ہٹ کر گلا کھنکار کر بیٹھ گیا۔

"وہ تمہیں بتانا چاہتی تھی مگر میں نے منع کر دیا۔

کیونکہ مجھے تم سے محبت نہیں تھی۔

مگر جب اس دن تم نے آنٹی کے سامنے اعتراف کیا اور میری وجہ سے ہسپتال تک پہنچ گئی تو مجھے خود پہ بہت غصہ آیا تھا۔افسوس بھی ہوا تھا۔

میں تم سے معافی بھی مانگنے گیا تھا مگر تمہیں شان....."

اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔

وہ اس رات کے آخری پہر میں چوری ہسپتال کے اس کمرے تک پہنچا تھا جہاں سحر سو رہی تھی۔

کیونکہ دن میں اگر جاتا تو علی خان اسے مار پیٹ کر بھگا دیتا۔

اس نے جیسے ہی قدم کمرے میں رکھا۔

ایک شدید جھٹکا لگا تھا اور اس نے دروازے کا ہینڈل تھام لیا۔

سارے راز کھل گئے تھے کہ وہ بھی سحر کو کس قدر چاہتا ہے۔

سحر کا ہاتھ شان کے ہاتھ میں تھا اور وہ کرسی پہ بیٹھا اس کے بازو پہ سر گرائے سو رہا تھا۔

وہ وہاں سے ہی الٹے پاؤں واپس پلٹ گیا۔

ایک آنسو رخسار پہ پھسلا تھا مگر اس نے سختی سے آنکھوں کو رگڑا اور وہاں سے چلا گیا۔

"شہروز! ت تم ہسپتال آئے تھے؟"

وہ جب بتا کر خاموش ہوا تو سحر نے بے تابی سے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے استفسار کیا

اس نے محبت بھری نگاہ اس پہ ڈالتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"وہ سب ویسا نہیں تھا جیسا تم سمجھ رہے ہو وہ بے خبر میں ہی سو گیا تھا۔ بعد میں اس نے

معزرت بھی کی تھی۔ میں سچ کہہ رہی....."

"مجھے معلوم ہے۔"

وہ اس کی بات درمیان میں کاٹتے ہی بولا۔

"جب میں انگلینڈ چلا گیا تھا تو مجھے ہمیشہ ایک بے چینی سی محسوس ہوتی تھی۔

پھر ایک دن شان کی ویڈیو کال آئی۔"

وہ اس دن یونیورسٹی سے چھٹی پہ تھا۔

کافی کا مگ بنا کر کوریڈور سے ہوتا وہ لون میں جا بیٹھا۔

لیپ ٹاپ پہ وائی فائی ان تھی تو شان خان کی سکائپ پہ ویڈیو کال آنے لگی۔

وہ جو سحر کو تصور میں لا کر مسکرا رہا تھا شان کا نام پڑھتے ہی اس کے چہرے پہ دشمنی و نفرت کے

اثرات نمایاں ہوئے۔

پہلے ہاتھ بڑھا کر کال کاٹنے لگا تھا پھر کچھ سوچ کر کال اٹینڈ کر لی۔

سلام دعا کے بعد جو شان نے اسے کہا تھا وہ سب سن کر وہ اپنے دل کو ڈوبتے ہوئے محسوس کر

رہا تھا۔

"شان خان! تم سحر کو دھوکہ دے رہے ہو۔اگر تم کسی اور میں دلچسپی رکھتے تھے تو اس کی زندگی کیوں خراب کر رہے ہو؟"

وہ آگ بگولہ ہو گیا تھا۔

"زندگی میں نہیں، تم ہم سب کی برباد کر رہے ہو۔

میں جانتا ہوں تم سحر سے محبت کرتے ہو اور وہ بھی تو تمہیں چاہتی ہے پھر پرابلم کیا ہے؟"

اس نے بھی سامنے سے کھری کھری سنا دیں۔

"اتنے مطلبی مت بنو شہروز! تم یہ سب روک سکتے ہو۔

تم اپنے والدین کو بھی ایک جگہ اکٹھا کر سکتے ہو۔

اور سحر کے ہر وقت روتے چہرے پر مسکراہٹ سجا سکتے ہو۔"

"پر میں کیسے؟ موم ڈیڈ نہیں مانیں گے۔خالہ ماما کی سگی بہن نہیں ہے۔"

وہ گہری سانس خارج کرتے ہوئے دکھی انداز میں گویا ہوا۔

"تم اگر یہ ہی سوچتے رہے.... یہ ہی دھوکے بازوں والی باتیں تو اپنی اور میری ڈوبتی کشتی کو بچا نہیں سکو گے۔

میرے بھائی! یہ دیکھ ہاتھ جوڑ رہا ہوں واپس آ جاؤ اور اس سے شادی کر لے۔"

وہ مسلسل بولتے ہوئے ہاتھ جوڑ گیا۔

"اب وہ مجھ سے شادی کر لے گی کیا؟"

"کیوں اب تمہیں کیا ہو گیا؟

ایک سیکنڈ.....ایک سیکنڈ۔"

وہ چونکتے ہوئے سیدھا ہو بیٹھا۔

"باہر جا کر باہر والوں کے کارنامے تو سرانجام...."

"شیٹ اپ یار! مجھے تم ایسا سمجھتے ہو۔میں سحر کے سوا کسی کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔"

وہ ناراضگی سے بولا تو شان قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"اچھا اتنی محبت کرتے ہو اس سے؟"

وہ پوائنٹ کی بات پہ آیا تھا۔

"ہاں یار بہت سے بھی بہت.....بس اپنی ماما اور اپنے ڈیڈ کی بدولت ہی میں اس کو بھولنے کی مکمل کوشش کر رہا ہوں۔مگر شان! یہ دل۔"

اس نے دل پہ ہاتھ رکھتے ہوئے لب کچلے۔

"یہ دل نہیں مانتا۔محبت میں بھولنا بھلانا نہیں ہوتا بس حاصل کی منزل کی تڑپ، چاہت ہوتی ہے۔

مگر میری اس منزل کے راستے میں موم ڈیڈ، تایا آنٹی کی بے وجہ کی لڑائیاں آ رہی ہیں۔"

وہ سر تھام گیا تھا۔

آنکھیں موندے درد کو چھپانا چاہا تھا۔

"کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ ہم دونوں کو یہ عشق ہی مار دے گا.....یو ناؤ واٹ شان!"

چہرے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کچھ تاثرات مٹا کر وہ سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

"ہر پل.....ایک ایک لمحہ وہ مجھے یاد آتی ہے۔

میں وہاں سے یہاں تک آیا کیونکہ وہاں ہر جگہ سحر خان کے قدموں نشانات تھے، یادیں تھیں اس کی خوشبوئیں تھیں، مگر...."

نظریں سکرین پر جمائے وہ کہیں اور ہی جگہ کھو چکا تھا۔

"مگر وہ یہاں بھی ہے ہر جگہ ہے۔ کیونکہ وہ مجھ میں ہے۔"

اسے معلوم بھی نہیں ہوا رخسار پہ ایک آنسو پھیسل گیا تھا۔

شان خاموش نگاہوں سے اسے تکتا رہ گیا۔

****

کمرے میں گہرا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔

وہ بیڈ کی پشت سے سر ٹکائے گھٹنوں کو سینے سے لگائے بیٹھی تھی۔

"تم مجھے بتا کیوں نہیں رہی کہ تمہیں ہوا کیا ہے؟

سحر تمہارے متعلق پوچھ رہی تھی۔ باجی اور بھائی صاحب بھی بار بار پوچھ رہے تھے۔

اور تم کل کیوں بنا بتائے گھر آ گئی تھی؟"

"بول کیوں نہیں رہی؟ لاپرواہی کی بھی حد ہوتی ہے۔ تم اس گھر کی بہو بننے والی ہو۔"

وہ جو ماما کو سنتے ہوئے بھی نہیں سن پا رہی تھی بس ایک لفظ نے اس کے سوئے ہوئے اعصاب پر بم کیا مطلب ایٹم بم ہی پھینکا تھا۔

"ک کیا مطلب ماما؟ آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟

ب بہو؟"

وہ کرنٹ کھا کر اٹھی تھی ریشمی آنچل سر سے پھسل کر پیچھے قدموں میں جا گرا۔

پوری آنکھیں اور کان کھولے وہ خوف سے کانپتی ماما کے پاس پہنچی۔

"ہاں..... علی اور تمہاری شادی..... کل مہندی ہے تمہاری۔اور اس میں اتنے ڈراؤنے ایکشن بنانے کی کیا ضرورت ہے؟"

وہ اسے شانوں سے تھام کر بیڈ پہ بیٹھا چکی تھیں۔

"ن نہیں علی خان.....وہ مجھ سے شادی نہیں کر سکتا۔"

وہ بلند آواز میں ہم کلام تھی۔

"ہائیں..... کیا کہہ رہی ہو؟"

"م میں اس سے شادی نہیں کروں گی ماما!"

"تم سے پوچھ بھی کون رہا ہے تمہیں بتا رہی ہوں کہ کل تمہاری مہندی ہے۔تمہارے اس دوغلے دودھیال سے بچانے کا بس یہ ہی طریقہ ہے۔

اور ہاں.....جو بھی سانپ تمہیں سونگھ گیا ہے اس کا علاج ڈھونڈو۔اور مجھے ہاں میں جواب چاہیے۔"

وہ تیکھے لہجے میں کہتی وہاں سے ہٹ گئیں۔

"علی خان کے سنگ میری زندگی میں صرف ایک ہی ایسی رات آئی ہے جس نے مجھے خوف زدہ کر دیا ہے۔

ماما! پھر اگر ہر رات ہر دن اس کے نام کیا تو....."

ایسا سوچ کر ہی اس کا سانس تھم گئی تھی۔

دونوں ہاتھوں کو ہونٹوں پر رکھے اس نے اپنی اکھڑتی سانسوں کو بھی روکا

"وہ بھی تو راضی نہیں ہے اس شادی کے لیے۔ وہ ادیبا سے محبت کرتا ہے، مجھ سے نہیں۔ اس کی مرضی کے بغیر کوئی کیسے مجھے اس کے سر پہ مسلط کر سکتا ہے؟"

اس کی نگاہوں کے پردے پہ پرسوں کی رات آگئی تھی۔

کالی رات، طوفانی خاموشی اور اس کا تیز تیز دھڑکتا دل۔

دور سے آتی گاڑی کی ہیڈ لائیٹس بہت قریب آچکی تھیں۔

اس سے پہلے کہ وہ ہوش کھو دیتی کوئی تیزی سے اس تک پہنچا تھا۔

"رومی! آنکھیں کھولو۔"

شان نے اس کا چہرہ تھپتھپاتے ہوئے تشویش سے اسے پکارا۔

جب وہ ہوش و بے ہوشی کی کیفیت میں پڑی رہی تو وہ ادھر ادھر اضطرابی نگاہ ڈال تیزی سے اسے اٹھا کر گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔

"پانی پیو۔"

اس کے سر کے تلے ہاتھ رکھتے ہوئے پانی

"ش شانی بھائی! پلیز مجھے یہاں ہی چھوڑ دیں۔ مجھے کہیں نہیں جانا۔"

وہ اس کے ہاتھ کو پیچھے دھکیلنے کے درمیان اکھڑے ہوئے سانس کے ساتھ گویا ہوئی۔

"علی بھائی نے کال کی تھی مجھے کہ تمہیں یہاں سے پک کرنا ہے۔

مگر تم یہاں کر کیا رہی ہو؟اور یہ حالت...؟"

اس نے مانو رومی پہ بم گرایا تھا۔

وہ پہلے تو اسے حیرت سے تکتی رہی پھر یکدم سے کھوکھلا قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

"تم پاگل ہو.....اس کی سازش کا شکار ہو گئے ہو۔جیسا تم اسے سمجھتے ہو وہ ویسا نہیں ہے۔

برو! وہ بہت چلاک آدمی ہے۔"

وہ سرعت سے اس کی جانب رخ پھیر کر خوفناک تاثرات لیے گویا ہوئی۔

"کیا مطلب؟ تمہیں کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔"

گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے وہ منہ کے زاویے بگاڑے گویا ہوا۔

"ن نہیں شان بھائی! پلیز م مجھے اپنے ساتھ مت لے جائیں۔وہ ظالم مجھ پہ اور میری عزت پہ کیچڑ اچھالے گا۔"

وہ پاگل ہو رہی تھی۔

کانپتے ہاتھوں کے ساتھ دروازہ کھولنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ شان کو زچ کر گئی تھی۔

"کیا اول فول بولے جا رہی ہیں آپ؟ علی بھائی اتنے گئے گزرے بھی نہیں ہیں۔ہاں مانتا ہوں وہ اصول پسند ہیں، بہت سخت ہیں..... مگر اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ وہ آپ کے ساتھ کچھ برا کریں گے۔اور انہوں نے کہا تھا کہ میں آپ کو یہاں سے پک کر لوں۔تم نے انہیں کال کیوں مجھے کر لیتی۔"

وہ اسے شانے سے تھام سیٹ کی پشت سے ٹکائے کر خفگی سے گویا ہوا۔

"وہ فرشتہ نہیں.....وہ تو انسان بھی نہیں ہے۔"

وہ خود پہ ہنستے ہوئے کہہ کر آنکھیں موند گئی۔

شان نے ایک جانچتی نظر اس پہ ڈالی تھی۔

گاڑی جب اس کے گھر کے سامنے رکی تو اسے ہوش آیا۔

وہ تیزی سے گاڑی سے اتری تھی اور تقریباً بھاگتے ہوئے اپنے گھر کی پیچھلی سیڑھیوں کی جانب بڑھی۔

سب ابھی تک ادھر علی خان کی جانب ہی تھے سو کمرے میں بند ہوئی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم اصول پسند ہو مگر.....میری بھی تو سن لیتے۔یہ کون سا اصول تھا؟

بے بس عورت کو تشدد کا نشانہ بنا کر تم کون سے اصول دکھا رہے تھے۔"

منہ سرہانے میں دیئے وہ آنسو بہاتی رہی تھی۔

زندگی میں پہلی مرتبہ اسے معلوم ہوا تھا مرد کے ہاتھوں کی سختی،غصے سے لال ہوتی آنکھوں کا اور اصول پرستی کا۔

وگرنہ وہ اکلوتی بیٹی تھی،دو بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی کبھی کسی نے اسے غصے سے پکارا تک بھی نہ تھا۔

"رومی! یہ ابٹن لگا کر سونا کل چہرے پر نکھار آجائے گا۔"

ماما نے اس کے سامنے کرسٹل کا باؤل رکھتے ہوئے کہا تو وہ بری طرح چونکتے ہوئے حال میں لوٹی تھی۔

آنسوؤں بھری نگاہیں اٹھا کر ماما کو دیکھا اور پھر ابٹن کے باؤل کو۔

"میں علی خان سے شادی کیوں کروں؟

ماما! اتنے اچھے اچھے رشتے آتے ہیں ان میں سے کسی کو بھی ہاں کہہ دیں۔ مگر علی خان نہیں۔"

وہ اب کی بار التجاء پر اتر آئی تھی۔

"اب میں تمہاری ایک نہیں سننے والی۔ پہلے تم اور تمہارے دونوں بھائیوں نے آنے والے ہر رشتے کو ناپسند کیا۔ مگر اس مرتبہ تم اکیلی ہی ہو جو علی بیٹے کے رشتے کے لیے نہیں مان رہی۔ اور مجھے لگتا ہے کہ تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ تمہارے والد صاحب اس دوستی کو رشتے داری میں بدلنا چاہتے ہیں۔"

"بھاڑ میں گئی رشتے داری۔ مجھے نہیں کرنی اس علی خان سے شادی جیسے عورت کی عزت کی قدر ہی نہیں۔"

وہ اپنے بال نوچتے ہوئے چلائی تھی۔

"بکواس بند کر رومی! علی خان جیسا لڑکا پوری دنیا میں چپل گھساؤ گی تو بھی نہیں ملے گا۔ اتنا نیک ہے ماشاءاللہ پورے محلے میں اس کی تعریفیں ہی ہوتی ہیں۔ اک تو ہے کہ اس کی دشمن بنی بیٹھی ہے۔"

وہ اس کے ہاتھوں کو تھامے گرج کر بولیں۔

"اور دوسری بات تم میری اکلوتی بیٹی ہو۔ میں تمہیں خود سے دور نہیں کر سکتی۔ تین گھر چھوڑ کر تمہارا گھر ہو گا تو مجھے بھی تمہیں ہنستے مسکراتے دیکھ خوشی ہوتی رہا کرے گی۔"

وہ اس کے کمرے کا پھیلاؤ سمیٹے ہوئے پلٹیں اور اسے سخت لہجے میں ڈپٹ کر خاموش کرواتی وہاں سے چلی گئیں۔

"ہا..... ہنستی مسکراتی

وہ تو مجھے زندہ بھی نہیں چھوڑے گا۔ وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے تو شادی کیوں کرے گا؟

م مجھے اس سے بات کرنی چاہیے۔"

آنسوؤں کو رگڑ کر زمین پر پڑا دوپٹہ اٹھا کر سائیڈ ٹیبل پر پڑا فون اٹھاتی کمرے سے نکل گئی۔

اس کا رخ علی خان کے گھر کی جانب تھا۔

آج یا تو وہ علی خان سے سارے رشتے توڑ کر آنے والی تھی یا مزید نفرتوں بھرے رشتے بنانے والی تھی۔

مگر اس نے ہر بار کی طرح اس بار بھی شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

پہلے وہ ہر رشتے کو علی خان کے لیے ٹھکراتی تھی مگر اس بار وہ علی خان کو اس کے لیے ہی ٹھکرانے جا رہی تھی۔

حالانکہ محبت کہہ رہی تھی کہ تم اس کی ہو جاؤ۔ مگر ضمیر کہہ رہا تھا اس کو بتاؤ کہ عورت کیا چیز ہے۔

وہ اپنی زبان بند تو رکھتی ہے مگر جب اس پہ ظلم ہو تو اپنے لیے آواز اٹھاتی ہے۔

*****

"شہروز!.....آپ اتنی محبت کرتے ہیں مجھ سے؟"

وہ اسے اپنی گزشتہ حالت کے متعلق بتا کر خاموش ہوا تو وہ سر اس کے شانے پہ ٹکاتے ہوئے آنسوؤں سے تر چہرہ چھپا گئی۔

شہروز کا ہاتھ اس کے بالوں میں آہستہ آہستہ چلنے لگا۔

"ہوں۔ارے پاگل لڑکی رو کیوں رہی ہو؟

آگے تو سنو!

ابھی بہت کچھ ہے جو تمہیں بتانا ہے۔"

وہ اس کو اپنے سامنے کرتے ہوئے اس کے آنسو پونچھ کر گویا ہوا۔

"پھر اس کمینے کی کمینگی چیک کرو میری اظہارِ محبت کی ویڈیو میرے ہی والدین کو سنا اور دکھا ڈالی۔

موم نے کال کی سختی سے پوچھا میں نے ہاں میں جواب دیا انہوں نے کہا بھول جاؤ میں نے کہا ٹھیک ہے ماما۔

میں ان سے ناراض تھا مگر ہمیشہ بات کرتا رہتا تھا۔

پتہ نہیں ایک دن کیا ہوا انہیں کہ انہوں نے کہہ دیا کہ میں تمہارے لیے سحر کا ہاتھ مانگ آئی ہوں۔پہلے تو ہارٹ اٹیک ہونے والا تھا۔"

وہ مبہم سا قہقہہ لگا کر اس کی گود میں سر رکھے چت لیٹ گیا۔

اس کے دونوں باہوں کو گردن کے گرد لپیٹ ہاتھوں کو اپنے دھڑکتے دل پہ رکھے وہ آنکھیں موند گیا۔

"پھر میں نے سب سے مشترکہ ویڈیو میٹنگ کی جس میں سب کو سمجھایا کہ ابھی تمہیں نہ بتایا جائے کہ ہماری شادی ہو رہی ہے۔

تمہیں پتہ ہے اس بات پہ تایا اور پاپا نے وہ کتے والی کی کہ توبہ..... پھر علی بھائی کی کسر باقی تھی۔

اتنی گالیاں دیں بھائی نے کہ توبہ توبہ۔" زندگی سے بھرپور قہقہے سے کمرہ گونج اٹھا تھا۔

وہ چند پل تو اسے دیکھتی رہی پھر خود بھی ہنس دی۔

"مگر وہ شان کی محبت کون ہے؟"

وہ خاموش ہوتے ہوئے بولی۔

شہروز نے اس کے ہاتھوں کو ہونٹوں سے لگاتے ہوئے اس کو نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔

"فلحال تو بریکنگ نیوز سنو۔

رومی تمہاری بھابھی بننے والی ہے۔"

"واٹ.....؟"

اس کی بات پہ وہ اچھل ہی تو پڑی تھی۔

"ارے بھئی کیا ہو گیا۔ ہاں جی ہماری مہندی والی رات ہی تو اس کے والدین نے بات کی تھی۔

تمہاری طرح ابھی اسے بھی معلوم نہیں ہے۔کیونکہ تمہارے بھائی صاحب کی ہاں کا انتظار ہو رہا ہے۔"

"بھائی ہاں نہیں کر رہے؟"

وہ حیران ہی تو رہ گئی تھی۔

"ہوں.... نہیں کر رہا۔اور سب سے بڑی بات رومی، علی بھائی کو چاہتی بھی ہے۔

اور جہاں تک میرا خیال ہے سالے صاحب محبت کرتے تو ہیں مگر ابھی اکڑ دکھا رہے ہیں۔"

اس نے سیڑھیوں اور پائل والا واقع سناتے ہوئے اس پہ مزید دھماکہ کیا تھا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہے یہ سب؟"

"بس معلوم ہو گیا۔تم ہوش کی دنیا میں ہوتی تو یہ سب معلوم ہوتا۔"

اس نے شانے اچکاتے ہوئے پھر سے سکونت سے آنکھیں موند گیا۔

"شہروز!..... سنیں۔"

اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ محبت بھری میٹھی آواز میں گویا ہوئی۔

"میں نے کبھی آپ سے نفرت نہیں کی۔پر آپ سب نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا مجھے دھوکے میں رکھا۔

اسکول میں، میں آپ کو سزا اس لیے دیتی تھی کیوں کہ پرنسپل نے کہا تھا شہروز پہ آپ سختی نہیں کرتیں تو وہ پڑھتا نہیں ہے۔

اس نے کہا تھا وہ تمہیں اسکول سے ریسٹیکیٹ کر دیں گیں وغیرہ وغیر.....

پتہ ہے میرا دل نہیں کرتا تھا کہ تمہیں سزا دوں پر اگر تم اسکول سے چلے جاتے تو میں....."
سحر کہتے کہتے رک گئی تھی اس نے چونکتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تو دانتوں تلے زبان دبا گئی۔

وہ اس کی اس ادا پہ پھر سے ہنستا چلا گیا۔

"تو میم سحر خان! آپ پہلے سے ہی بچے پہ لٹو تھیں۔ ناٹ بیڈ....." وہ پھیلنے لگا تھا۔

"اب آپ بچے نہیں رہے۔ تیئیس سال کے ہو چکے ہیں۔

اور محبت تو تب ہوئی جب آپ اور....."

وہ پھر سے خاموش ہو گئی اور نفی میں سر ہلایا۔

"تم نے اور رومی نے اچھا کھیل نہیں کھیلا۔ شکر کرو میں نے کسی کے سامنے کچھ کہہ نہیں دیا و گرنہ آج بھیا اس سے بدگماں ہوتے۔ جانتے تو ہو تم انہیں۔

پورے پورے مشرقی مرد ہیں، اگر انہیں کچھ بھی معلوم ہوتا تو آج رومااور بھائی کا رشتہ نارمل نہ ہوتا۔"

وہ خفگی سے گویا ہوئی۔

علی خان اس کی طرح ہوش کی دنیا سے بے نیاز نہیں تھا۔

اس کی نظریں سب کچھ دیکھتی تھیں، کان سنتے تھے اور وہ سب جان چکا تھا۔

"ایم سوری۔ مگر ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔

شہروز ہمیشہ سے آپ کا تھا، آپ کا ہے اور آپ کا ہی رہے گا۔اور روما تمہیں جو کہانیاں سناتی تھی اس کا ہیرو تو علی بھائی ہی ہوتا تھا۔"

وہ اس کے ہاتھ پہ دباؤ ڈالتے ہوئے بولا۔

"کیا آپ مجھے معاف کریں گیں؟

پرانی بری یادوں کو بھلا کے نئے رشتے کی شروعات کرنے میں میرا ساتھ دو گی؟"

شہروز اٹھ کر اس کے دائیں جانب بیٹھتے ہوئے بولا اور ہاتھ سحر کے سامنے پھیلایا۔

"اتنی جلدی میں نہیں معاف کروں گی پہلے مرغا بنو۔"

سحر آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

"کیا.....؟

ہم ہوٹل میں ہیں گھر نہیں یا میں دسویں کلاس کا بچہ نہیں ہوں مائی ڈیئر میم!"

شہروز نے ڈرنے کی ایکٹنگ کی۔

"تو ٹھیک ہے پھر میں نہیں معاف کروں گی۔"

وہ منہ بسورے گویا ہوئی

"اچھا اچھا ٹھیک ہے۔

ناراض تو نہ ہوں میں کچھ کرتا ہوں۔"

شہروز بیڈ سے اتر کر ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے سوچنے لگا کہ کیا کرے کہ۔وہ سزا سے بھی بچ جائے اور وہ مان بھی جائے۔

ترکیب آنے پہ وہ چٹکی بجاتے ہوئے اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

اپنی شیروانی کے بٹن کھولتے ہوئے اس کی۔شرارتی نگاہیں مسلسل شرم سے لال ہوتی سحر پہ ہی تھیں۔

جس کے سفید رخسار انار کی مانند لال۔ہو چکے تھے۔

اس نے شیروانی اتار کے صوفے پہ اچھالی۔

"یہ کیا کر رہے ہیں شرم کرو۔"

سحر نے منہ ہاتھوں میں چھپائے سر گھٹنوں پر ٹکا لیا۔

"میرا کمرہ،میری بیوی.....میں جو مرضی کروں۔اب مرغا بنو یا مان جاؤ گی؟"شہروز نے سنجیدگی سے کہا۔

"رہنے دو رہنے دو مرغانہ بنو میں مان گئی۔"

سحر نے گھبرا کر ہاتھ سے ہی اسے روکا تو وہ قہقہہ لگاتا اس کے عقب میں جا بیٹھا۔

"شش شیروانی پہنیں۔"

سحر نے اسے ایک نظر دیکھ پھر سے سر جھکا کر اس کے سر پہ چپت رسید کی۔

سفید بانیان میں وہ اپنی کسرتی باڈی دکھا رہا تھا۔

"میں تو بغیر شرٹ کے سوتا ہوں۔عادت ڈال لو۔"

وہ اسے شانا مار کر گویا ہوا۔

"میں نے اپنے درد کی زنجیروں کو توڑ دیا اب آپ کو عشق کی زنجیروں میں قید کر لیا ہے۔

عمر بھر آپ ان زنجیروں سے آزاد نہیں ہوں گیں۔ کیا آپ کو منظور ہے مسز خان؟"

شہروز نے چہرے کو پیارا سا سٹائل بنا کر اس کے بالوں کو منہ پہ گرا کر کہا

"قبول ہے۔ آپ کے عشق کی زنجیروں کو میں نے دل و جان سے قبول کیا مسٹر خان!"

اس نے شہروز کے ہاتھ پہ ہونٹ رکھ کر جذبات سے لبریز میں بولی تو شہروز نے اپنی جوگن کو سینے سے لگائے باہوں میں لے لیا۔

سکون سحر کے وجود میں اترنے لگا تھا۔ جو سکون وہ کھو چکی تھی وہ واپس لوٹ رہا تھا وہ زنجیریں جو درد کی تھیں وہ عشق کی زنجیروں میں بدل گئی تھیں۔

اور وہ محبت حاصل کر چکی تھی۔

"اچھا تمہارے لیے ایک تحفہ ہے۔ ایک منٹ...."

شہروز اٹھا اور مسکراتے ہوئے کمرے میں رکھی چھوٹی سی فریج کی جانب بڑھ گیا۔

"میم یہ گول گپے آپ کے لیے۔ ان میں ہی آپ کی منہ دکھائی چھپی ہے ڈھونڈھ لو۔"

شہروز نے بڑا ٹرے نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا وہ آنکھیں پھیلائے پہلے اسے دیکھتی رہی پھر شرم کو ایک جانب رکھ سیدھی ہو بیٹھی۔

شہروز نے ایک گول گپا اٹھا کر اس کے منہ میں ڈالا۔

"شہروز! یہ اتنے زیادہ میں کیسے کھاؤں گی؟" سحر نے گول گپے سے بھرے منہ سے کہا

"منہ دکھائی چاہیے تو گول گپے کھانے پڑیں گے چلیں منہ کھولیں۔"

شہروز نے مسکرا کر ایک اور گول گپا اٹھایا اور سحر کے منہ میں ڈالا۔

گول گپے ابھی ختم نہیں ہوئے تھے کہ شہروز نے سحر کے ہاتھ میں چھوٹے سے چمکتے ہیرے کی انگوٹھی پہنادی۔

"پھر سے دھوکہ....." سحر نے چلاتے ہوئے آنکھیں دکھائیں اور کشن اٹھا کر اسے دے مارا۔

"ایم سوری....." شہروز اس کے قریب ہو کر بیٹھ گیا، کان پکڑ کر نظروں سے ہی کہا۔

"آئندہ سوری نہیں کہنا۔"

اس کے ہاتھ کانوں پر سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

اور مسکراتے ہوئے سر جھکا گئی۔

وہ بھی مسکرادیا۔

"اچھا وہ جو اس دن سرپرائز تھا میرے روم میں؟"

"وہ بھی میں نے ہی دیا تھا میڈم!..."

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

****

مہمانوں کو رخصت کرتے ہی وہ اپنے کمرے میں بند ہو گیا تھا۔

ماما پاپا، چاچا کے گھر چلے گئے تھے۔

کیونکہ سحر کا کمرہ سیٹ کرنا تھا۔ فرنیچر رکھوانا تھا اور باقی کا سارا کام۔

اس نے سر تھکاوٹ کا بہانہ بنا کر وہاں جانے سے انکار کر دیا۔

دروازہ زور سے بند کرتے ہوئے وہ بیڈ پہ جا بیٹھا، دونوں ہاتھوں میں سر گرائے ضبط کی انتہا کو چھو رہا تھا۔

"میں کیسے اس لڑکی کو اپنی بیوی بنالوں۔

کل کلاں کو اگر کسی نے اسے کہیں اور دیکھا ہوا ہو اور میرے ساتھ دیکھ لیا تو..... تو کیا رہ جائے گا میرے پلے؟

میری عزت کا جنازہ نکل جائے گا۔"

وہ سرخ پڑتی آنکھیں پھیلائے خوف زدہ سا دیوار کو گھورتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

"اگر کسی کو یہ معلوم ہوا کہ وہ میرے دونوں کزنز....."

اندر سے پھر سے آواز کی شکل میں تیر اس کی انا کے سر پہ آ لگا تھا۔

"نہیں میں ایسا نہیں ہونے دوں گا...." وہ بھاگ کر دروازے کی جانب بڑھا، ہاتھ ابھی ہینڈل پہ ہی تھا کہ اسے یاد آیا وہ کچھ دیر پہلے ہی اس رشتے کے لیے ہاں کہہ چکا ہے۔

زور کا مکا دروازے پر برستے ہوئے وہ پھر سے واپس پلٹ گیا۔

اضطرابی کیفیت میں یہاں سے وہاں تک ٹہلتے ہوئے بھی اس کے دل کا بوجھ ہلکا نہیں ہوا تھا۔

زخمی ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا مگر اس درد سے زیادہ درد روح اور دل کو چیر رہا تھا۔

آج بھی اسے وہ دن یاد تھا۔

چند سال پہلے.....

وہ آفس سے واپس آ رہا تھا۔

بادل آسمان پر ادھر سے ادھر منڈلاتے ہوئے بارش کی خبر دے رہے تھے۔

سگنل پہ گاڑی رکی تو اس نے گلاسز اتارتے ہوئے مسکرا کے سر اٹھا کر کھڑکی سے آسمان کو دیکھا۔

اسے انتظار تھا گھر پہنچنے کا۔

اور وہ سب جو اس کے دل میں چھپا تھا روما کے سامنے بیان کرنے کا۔

وہ آج اعترافِ محبت کرنے والا تھا۔

"مجھے نہیں معلوم روما! کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو یا پھر شہروز سے۔

مگر آج میں تم سے کہہ دوں گا کہ مجھے تم سے محبت ہے۔

علی خان کو تم سے بے پناہ محبت ہے۔"

وہ سٹیرنگ پہ انگلیاں پیانو کی مانند بجاتے ہوئے ہونٹوں کو گول کیے سیٹی بجانے کے درمیان سوچ رہا تھا۔

اس کے چہرے پہ خوشی کے بے شمار رنگ تھے۔

دل باغ باغ تھا۔

"صاحب! پھول لے لیں..... گجرے لے لیں۔لے لیں نہ صاحب!"

ایک چھوٹی سی بچی نے کھڑکی پہ ٹوکری رکھتے ہوئے نرم سی آواز میں التجاء کی۔

اس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور بچی کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

"یہ سارے کتنے کے ہیں۔"

وہ ٹوکری میں پڑے پھولوں کے بنائے گئے گجروں اور منی گلدستوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔

بچی نے قیمت بتائی تو اس نے پیسے ادا کرتے ہوئے شتوت کی بنی ہوئی گول ٹوکری تھام کر لیفٹ سیٹ پہ رکھی۔

"بات سنو بیٹا!"

وہ بچی پلٹنے ہی والی تھی کہ اس نے پکارا۔

وہ ڈرتی ہوئی پلٹی۔

اس کی آنکھوں میں خوف تھا۔

"ج جی صاحب!"

مٹھی میں دبے پیسوں پہ پکڑ مضبوط کرتے ہوئے وہ بولی۔

ہزار کے نوٹ کے کھینچ جانے پہ وہ ہراساں تھی۔

"ڈرو نہیں بیٹا!! یہ آپ کا ہی ہے۔

میں نے بس یہ پوچھنا تھا آپ کا گھر یہاں سے کتنا دور ہے؟"

اس نے استفسار کیا۔

"بس پیچھلی گلی میں ہی ہے صاحب!"

"اوکے..... موسم خراب ہے اور آپ کو اس موسم میں گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔"

وہ نرمی سے بولا اتنے میں اشارہ کھل گیا تھا۔

گاڑیوں کے ہارن بجنے لگے تو وہ بچی خوف زدہ ہو کر اس کی گاڑی کے ساتھ چپک گئی۔

اس نے گلاسز لگاتے ہوئے ایک نظر بیک مرر پہ ڈالی اور دوسری سائیڈ مرر پہ۔

ہاتھ باہر نکال کر گاڑیوں کو رکنے کا اشارہ کیا اور دروازہ کھول کر بچی کو اٹھا کے پیچھلی سیٹ پہ بیٹھایا۔

گاڑی کو سیدھا لے جانے کی بجائے اس نے موڑ لیا تھا۔

اس چکر میں گاڑی سامنے رکشے سے ٹکرانے ہی لگی تھی مگر اس نے سنبھال لیا۔

دوسری جانب گاڑی روک کر وہ پہلے خود اترا اور پھر بچی کو اتارا۔

اس کا ارادہ تھا کہ وہ پیدل ہی اسے چھوڑنے جانے کا تھا۔

"ایکسکیوزمی مسٹر....! آپ بچی کو کہاں لے جا رہے ہیں؟"

کچھ لوگ جو اسے دیکھ رہے تھے اسے آگے بڑھتا دیکھ بولے۔

اس نے ان کو سمجھایا کہ وہ کوئی غلط ارادہ نہیں رکھتا بس اسے چھوڑنے جا رہا ہے۔

پھر اس نے اپنا وزٹنگ کارڈ ان کی جانب بڑھایا۔

"ایم سوری علی صاحب! مگر آج کل کا زمانہ نہیں ہے، اس لیے ایک اچھے شہری ہونے کی خاطر ہمارا فرض تھا کہ پوچھیں۔"

ایک بندے نے مصافحہ لیتے ہوئے معذرت کی۔

وہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

"آپ کے گھر کا ایڈریس بتائیں۔

میرا مطلب....."

"یہاں سے رائٹ جانا ہے پھر لیفٹ گلی میں مڑ جانا۔"

اس کی بات درمیان میں کاٹتے ہوئے وہ تیزی سے بولی۔

"واؤ آپ کو تو انگلش بھی سمجھ آتی ہے۔

آپ اسکول جاتی ہو؟"

مسکراتے ہوئے اس نے گلاسز اتارتے ہوئے بچی کو دیکھا۔

"نہیں، میری ماما مجھے پڑھاتی ہیں۔ میرے پاپا جب زندہ تھے تو میری ماما نے میری کتابیں خرید لی ہوئی تھیں۔"

وہ بکھرے بالوں کو چہرے پر سے ہٹاتے ہوئے بولی۔

"کیا آپ پڑھنا چاہتی ہیں؟"

وہ نرمی سے استفسار کرتے ہوئے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے بولا۔

بچی نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ مسکرا دیا۔

اسے اسکے گھر کے دروازے کے سامنے چھوڑتے ہوئے اپنا وزٹنگ کارڈ اس کو تھما دیا۔

"بیٹا! اپنی ماما سے کہنا کیمرج اسکول سسٹم آپ کو لے جائیں۔ یہ کارڈ وہاں کے پرنسپل کو دکھانا.....اور آپ کا ایڈمیشن ہو جائے گا۔"

اس نے جھک کر اس کے سر پہ ہاتھ رکھا اور واپس پلٹ گیا۔

علی کے فون پہ کال آنے لگی وہ جو گلاسز لگا کر گاڑی کا دروازہ کھولنے ہی والا تھا فون کی جانب متوجہ ہوا۔

"اسلام و علیکم ! کیسے ہیں آپ ؟"

ایک بازو گاڑی کے دروازے پر ٹکائے ادھر ادھر نگاہیں دوڑاتے ہوئے اس نے استفسار کیا۔

"ہم آپ کے ساتھ ڈیل سائن کرنے کو تیار ہیں۔ ہمیں آپ کا کام پسند آیا ہے مسٹر علی خان ! مگر ایک شرط ہے ہماری۔"

سامنے والے نے حال حوال کے بعد کہا۔

"اور وہ کیا؟"

علی نے دائیں بھنویں کو آچکایا۔

"سائیڈ پہ کام دیکھنے کے لیے، اور مزدوروں کو بہتر ہدایت دینے کے لیے آپ خود موجود رہا کریں گے۔"

سامنے سے مسکراتے ہوئے کہا گیا۔

اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"ضرور مسٹر کاشف ! ان شاءاللہ آپ کو شکائت کا موقع نہیں ملے گا۔ مگر میری بھی ایک شرط ہے۔"

وہ سیٹ پہ بیٹھتے ہوئے گویا ہوا۔

"اپنے ٹھیکے دار سے کہہ دیجیے گا کہ مزدور بہتر لائیں۔ جو ماہر ہوں کام میں، کیونکہ مسٹر کاشف ! یہ کوئی عام بلڈنگ کا معاملہ نہیں فیکٹری کا معاملہ ہے۔

بہترین نقشہ میں کھینچوں گا اور کھڑا وہ کریں گے۔"

گاڑی سڑک پہ ڈالتے ہوئے وہ گھر کی جانب جا رہا تھا۔

"آپ نے تو ہمارے متعلق بہتر بات کی ہے۔ایک کام کیوں نہیں کرتے آپ، کہ ہمارے پاس آجائیں۔میں اور میرے پاٹنرز میرے ساتھ بیٹھے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔میں پہنچ رہا ہوں۔"

کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے افسردہ سانس فضا کے سپرد کی اور اگلے موڑ سے گاڑی موڑ لی۔

"شاید ابھی ٹھیک وقت نہیں آیا۔"

خود کو سمجھاتے ہوئے وہ ہوٹل کے لیے نکل گیا۔

گاڑی پارکنگ ایریا میں پارک ہی کی تھی کہ اچانک نظر داخلی دروازے پہ پڑی۔

سانس سینے میں اٹک گئی۔

دھڑکنیں رکتی گئیں اور وہ پھر نظریں نہ ہٹا سکا۔

وہ فریز ہو گیا تھا۔

دنیا بھی رک گئی تھی۔

"شان اور روما.....؟"

ہاں وہ ہی تو تھے دونوں ہاتھ پہ ہاتھ مار کر ہنستے ہوئے کچھ کچھ فاصلے پر وہ چلتے ہوئے اسی جانب ہی آ رہے تھے۔

اچانک اس میں حرکت آئی تھی تیزی سے گاڑی کی کھڑکی پہ پردہ گرا لیا۔

"مجھے تو اس وقت کا انتظار ہے جب سحر کو معلوم ہو گا کہ تم کسی اور میں دلچسپی رکھتے ہو.....وہ خود ہی یہ رشتہ توڑ دے گی ہمیں کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔"

اس کی گاڑی کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ علی پہ آسماں گرا گئی تھی۔

وہ بے اختیار ہی صدمے کی کیفیت میں سیٹ کی پشت سے سر ٹکا گیا۔

"نہیں یار! ابھی کچھ نہیں بتانا ساری پلاننگ خراب ہو جائے گی۔"

شان نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"ٹھیک ہے مگر تمہیں شہروز کو راضی کرنا ہو گا سحر کے لیے۔

کیونکہ وہ اس سے محبت کرتی ہے۔"

وہ بھی گاڑی میں سوار ہو گئی تھی۔

اور وہ دن اس کے لیے زندگی کا سب سے برا دن تھا۔

مگر ایک حساب سے اچھا بھی تھا کہ اس نے جو ڈیل کے سائن کی تھی وہ اسے منافع بخش تھی۔

"نہیں.....میں اب مزید اس لڑکی کو ہر گز بھی برداشت نہیں کر سکتا۔"

حال میں لوٹتے ہی وہ سختی سے سر جھٹک ہمکلام ہوا

پسینے سے شرابور ہوتا کرتہ سینے سے پکڑ کر پھاڑ کے اتارا تھا۔

اے سی آن کرنے کے ساتھ ہی آڈیو پلیئر پر فل آواز پہ راحت فتح علی خان کی غزل پلے کر دی۔

تاکہ کوئی اس کی حالت غیر سے واقفیت حاصل نہ کر لے۔

سائیڈ ٹیبل پہ پڑی ٹھنڈے پانی کی بوتل اٹھا کر منہ سے لگالی۔
مگر جب دماغ ٹھنڈا نہ ہوا تو پوری بوتل منہ پہ انڈیل دی۔

ذرا یاد کر میرے ہم نفس
میرا دل جو تم پہ نثار تھا
وہ ڈرا ڈرا سا جو پیار تھا
تیرے شوخ قدموں کی دھول تھی
تیرا بھی دل بے قرار تھا
ذرا یاد کر.....

وہ جو مین گیٹ کھلا دیکھ کر گھر میں داخل ہوئی تھی۔
ہر جانب خاموشی پا کر پلٹنے کو ہی تھی کہ علی کے کمرے سے غزل کی اس قدر آواز سن وہ چونکی اور گردن گھما کر کمرے کے بند دروازے کو دیکھا۔

وہ گھٹی گھٹی سی نوائے دل
میری آہ درد کا ساز تھی
جو پڑھی تھی اشکوں نے ٹوٹ کر

کسی بے خدا کی نماز تھی

جسے رو دیا ہے ذرا ذرا

میری بے بسی کا فشار تھا

ذرا یاد کر.....

قدم بے اختیار ہی کمرے کی جانب بڑھے تھے۔

دل کی عجیب کیفیت تھی، وہ شخص جس کے ڈرائنگ روم سے کوئی آواز باہر نہیں جاتی تھی۔

اور آج اس کے بیڈ روم سے سیڈ گانے کی اتنی بلند آواز کیوں؟

"کیا وہ ادیبا کے عشق میں گوڈے گوڈے ڈوبا ہوا ہے۔اور مجھ سے شادی کے لیے فورس کر دیا گیا؟"

دروازے کے سامنے پہنچتے ہی اس نے ہاتھ بڑھایا مگر دروازہ کھٹکھٹانے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔

دائیں جانب پلٹ کر دیوار کو تھامے وہ کھڑکی کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

سامنے کا منظر دیکھتے ہی وہ دل تھامے آنکھیں پھیلائے رہ گئی۔

یہ وہ علی نہیں تھا جسے وہ جانتی تھی۔

یہ تو کوئی اور ہی تھا.....

کمرے کی حالت کم اور اس کی حالت زیادہ تباہ کن تھی۔

میرا غم تو ہے غمِ مبتلا

میں جیا مگر میں جیا نہیں

تیرا غم ہے تیری ندامتیں

توں جیا مگر توں مرا نہیں

تجھے عمر بھر کی سزا ملی

تیرا جرم، جرمِ فرار تھا

تیرا ابھی دل بے قرار تھا

ذرا یاد کر.....

وہ بیڈ پہ چیت لیٹا سگریٹ کے یکِ بعد دیگرے کش لے رہا تھا۔

کسی کی نگاہوں کی تپش محسوس کرتے ہی جب اس نے گردن گھمائی تو کھڑکی پہ کھڑی رومی کا دل خوف سے کانپ گیا۔

وہ گھبرا کر کھڑکی کے پٹ کو تھام گئی۔

علی خان پیشانی پہ بل لیے بکھرے بالوں میں ہاتھ پھیرتا اٹھا اور رفتہ رفتہ قدم اٹھاتا کھڑکی پہ آ رکا۔

سگریٹ کا کش لیا اور منہ اوپر کر کے دھواں ہوا میں اڑا کر بقایا سگریٹ کو پھینکا اور پیر تلے مسل کر کھڑکی کے فریم پہ دونوں ہاتھ ٹکائے اس کی جانب جھکا۔

استہزائیہ مسکراہٹ لیے وہ سرد، خون برساتی آنکھوں کو روما کی خوف سے پھیلی نگاہوں میں گاڑھے وہ اسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر گیا۔

"علی....! م مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"

رخ پھیر کر وہ کانپتی آواز میں گویا ہوئی۔

"ہاں بولو ہونے والی بیگم۔"

وہ اس کے کان کے پاس گھمبیر لہجے میں سرگوشی کرتے ہوئے بیگم پہ زور ڈال کر بولا۔

"آپ اس شادی سے انکار کر دیں۔ آپ کو ادیبا سے ہی شادی کرنی چاہیے۔"

ہاتھوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے وہ تیز لہجے میں اپنی بات کہہ گئی۔

چند پل کے بعد جوابی طور پر قہقہہ وصول ہوا۔

"اے لڑکی ایک بات کان کھول کر سن لے۔"

اس کا بازو دبوچ کر اپنی جانب کھینچتے ہوئے وہ ناگواری سے دانتوں پہ دانت جمائے گویا ہوا۔

"تم مجھے سکھانے والی ہوتی کون ہو؟

میں اس سے شادی کروں یا تم سے یہ میرا فیصلہ ہے۔

یہ شادی ہو گی۔ اور پرسوں ہی تمہاری رخصتی ہو گی۔

اگر تم نے اپنے کسی....."

وہ کہتے کہتے سختی سے لب بھینچے رک گیا۔

"تم نے اگر بھاگنے کی کوشش کی تو میں تمہیں ڈھونڈ کر جان سے مار دوں گا سمجھی تم؟

جاؤ اب یہاں سے۔"

اس کا بازو جھٹک وہ واپس پلٹا۔

"ت تمہارا ہاتھ....."

اس کی نظر جیسے ہی علی خان کے ہاتھ پہ پھسلی تو چیخ اٹھی۔

"شششششش....."

تیزی سے پلٹ کر ہونٹ پہ انگلی رکھتے وہ خونخوار انداز میں پھنکارا۔

"جاؤ یہاں سے...."

"ان انفیکشن ہو جائے گا آپ پلیز.....پلیز پٹی باندھ لیں۔"

وہ ڈری ڈری سی التجاء کر رہی تھی۔

"تمہیں میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔فلحال تو اپنی فکر کرو۔"

وہ طنزیہ ہنستے ہوئے گویا ہوا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی رو ما کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا کیونکہ آنکھیں بھی برس رہی تھیں۔

وہ سمجھ نہیں پائی کہ اس کے آنسوؤں کی وجہ کیا ہے؟

علی خان کے درد سے اس کو درد کیوں ہونے لگا۔

"دروازہ کھولو علی خان....! مجھے پٹی کرنے دو۔"

اس نے جھجھکتے ہوئے کہا۔

علی خان نے بھنویں اچکاتے ہوئے پیشانی پہ بل ڈالے۔

"اپنی اوقات میں رہو اور تم میرے روم میں آؤ گی؟

ہا..... شیم آن یو۔"

اس کے منہ پہ کھڑکی بند کرتے ہوئے وہ پلٹ گیا اور وہ گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

روما پھر بنا کچھ مزید کہہ وہاں سے چلی گئی۔

کیونکہ یہاں رہنا یعنی شیر کی کچھار میں رہنا۔

اور وہ ہرنی سی لڑکی اس شیر جیسے مرد سے ڈرتی تھی۔

*****

کیا مہندی اور کیا بارات.....

اس کے لیے تو عجیب ہی الجھن تھی۔

نہ وہ علی سے بات کر سکی تھی نہ ہی اسے کچھ بھی کلیئر کر سکی تھی۔

اپنی بے گناہی کے لیے کچھ بھی تو ثبوت نہیں تھا اس کے پاس۔

خدا ہی جانے علی کا رویہ شادی کے بعد کیسا ہو گا؟

کیا وہ اس کو بیلٹ سے پیٹا کرے گا..... یا پھر پیروں سے ٹھوکریں مارے گا؟

یا پھر بالوں کو نوچ کر منہ پہ تمانچے.....

ایک رات میں اگر وہ اس قدر ظلم ڈھا سکتا ہے تو.....

یہ سوچ کر ہی اس نے کپکپی لی اور کاجل سے بھری آنکھوں کو سختی سے میچ کر بیڈ شیٹ تھام لی۔

دل میں اس قدر خوف تھا، اور وہ ڈر کی ندیوں میں اس طرح بہہ گئی تھی کہ علی کو دروازہ کھولتے دیکھ ہی نہ پائی۔

وہ دروازے کی کنڈی چڑھا کر اس کی جانب بڑھا۔

اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے وہ سنجیدہ نگاہوں سے روما کے دلکش سراپے کو دیکھ رہا تھا۔

اس کی پھٹی پھٹی نگاہوں کے سامنے ہاتھ ہلایا مگر وہ شاکڈ بیٹھی تھی۔

علی نے اس کے شانے کو بری طرح ہلاتے ہوئے ہوش دلایا اور تھوڑا سا اس کی جانب جھکا۔

رومی اسے اپنے اس قدر نزدیک پا کر خوف زدہ ہو کر پیچھے کو سرکی۔

"ڈرو نہیں اب تو تم میری بیوی بن گئی ہو۔

ویسے کتنی عجیب بات ہے نہ علی خان نے تم سے شادی کر لی۔"

وہ خود پہ ہنستے ہوئے اٹھا اور شیروانی کے بٹن کھولنے لگا۔

مہرون شیروانی پہ گولڈن نفیس کام ہوا تھا۔

بالوں میں ہاتھ پھیر کے سلکی بالوں کو پیشانی پہ گرایا اور پسلیوں پہ ہاتھ رکھے اسے یوں دیکھنے لگا جیسے وہ میوزیم میں رکھی ہوئی عجیب شے ہو۔

سفید و گلابی چہرے پر بلا کی سنجیدگی اور ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ لیے ہوئے تھا۔

مگر پھر بھی روما کو دنیا کا واحد حسین ترین شخص لگ رہا تھا۔

اس کی نظروں میں ابھی بھی علی خان کا وہ ہی مقام تھا۔

"ایک بات کان کھول کر سن لو میری۔"

وہ اچھل کر بیڈ پہ اس کے عقب میں بیٹھتے ہوئے نرم لہجے میں بولا۔

"کل سے اگر میں نے تمہیں کسی غیر محرم کے ساتھ بات کرتے ہوئے، ہنستے ہوئے دیکھ لیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ بات سمجھ آ گئی نا؟"

اس کے ہاتھ کو زور سے دباتے ہوئے باظاہر نرم و ملائم لہجے میں بول رہا تھا مگر روما اس کے ہاتھ کی سختی سے ہی اس کے لہجے کی مٹھاس کے پیچھے چھپی زہر محسوس کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلا گئی۔

"گڈ گرل..... چلو اب سو جاؤ۔"

وہ اس کی رخسار تھپتھپا کر کروٹ بدل لیٹ گیا۔

وہ حیران کن نگاہوں سے اس کی پشت کو تکتی رہ گئی۔

"آج کی رات تو کم از کم مجھ سے محبت سے بات کر لیتے۔ زندھی کی حسین ترین رات ہے یہ ہماری...."

وہ گھٹنوں کے گرد بازو حائل کرتے ہوئے سر گھٹنوں پر ٹکا گئی۔

"اوہ یاد آیا..... سائیڈ ٹیبل پہ تمہاری منہ دکھائی پڑی ہے۔ اٹھا لو۔"

بنا اس کی جانب دیکھے کہا اور لیمپ آف کر دیا۔

"علی خان! مجھے اندھیرے میں نیند نہیں آتی۔"

وہ کچھ دیر تو بیٹھی رہی پھر تیزی سے بیڈ سے اتر کر لہنگا سنبھالتی اس کی جانب گئی اور لیپ آن کرتے ہوئے روہانسی انداز میں گویا ہوئی۔

علی نے نیند سے بوجھل ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھول کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

سرخ عروسی لباس زیب تن کیے تمام ہار شنگار کے سنگ وہ معصومیت اور خوبصورت کی مورت لگ رہی تھی۔

اس کا مکمل حسن علی خان کو دنیا بھلانے پہ مجبور کر رہا تھا۔

وہ اس کو مسلسل اپنی جانب دیکھتا پا کر گھبراتی ہوئی وہاں سے ہٹنے ہی والی تھی کہ اس کا دوپٹہ کھنچاؤ کے زیر اثر ہوا اور اس کے قدموں کو رکنے پہ ہی نہیں بلکہ پلٹنے پہ بھی مجبور کر گیا۔

علی نے سرہانے کو بازو پہ رکھتے ہوئے شہادت کی انگلی سے اسے اپنی جانب بلایا۔

وہ خوف سے کانپتی ہوئی دوپٹہ انگلیوں پہ لپیٹتی اس کی جانب بڑھی تھی۔

"تمہارے ہاتھ اتنے نرم ہیں کوئی کام نہیں کرتی کیا؟

یا بس ان لمبے ہاتھوں کا استعمال لڑکوں کو...."

"بس کر دیں علی خان! آپ کو شرم نہیں آتی اپنی بیوی کے متعلق ایسی بات کرتے ہوئے۔"

وہ اس کے ہاتھ کو جھٹک کر تقریباً چلائی تھی۔

"آواز نیچی رکھو۔"

وہ اطمینان سے بولتے ہوئے پھر سے اس کا ہاتھ تھام کر بیڈ پہ کھینچ چکا تھا۔

"کیوں رکھوں؟ کیوں علی خان! اب اس طرح جذباتی طور پر مجھے ٹارچر کرنا چاہتے ہیں؟"

وہ اس کی گرفت سے آزاد ہونے کی سعی کرتی دبی دبی آواز میں چلائی۔

"میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو شوہروں کا تشدد دل و جان سے قبول کرتی ہیں۔ اگر آپ نے مجھ پہ ظلم کیا تو میں کل سب کو بتادوں گی کہ آپ کی اصلیت کیا ہے۔"

وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بہادری سے فر فر بول رہی تھی۔

علی نے مبہم سا ہنستے ہوئے اس کی گود میں سر گرایا۔

"زیادہ پٹر پٹر مت کرو سر دباؤ میرا۔"

"کیا؟"

رومی کو مانو کرنٹ لگا تھا۔

وہ حیران سی علی خان کا منہ تکتی رہ گئی جواب آنکھیں موند چکا تھا۔

"ٹی وی سیریل والے ری ایکشن مت دو۔ سر دباؤ تمہاری شکل دیکھ کر سر درد کرنے لگ گیا ہے۔"

وہ آنکھیں کھول کر دانتوں پہ دانت جمائے بولا۔اور اشارہ سر کی جانب کیا۔

"ویری گڈ.....پھر تو گردن دبا دیتی ہوں۔پھر آپ کبھی بھی مجھے نہیں دیکھ سکو گے۔"

وہ ہنستے ہوئے علی کو زہر لگ رہی تھی۔

"زیادہ زبان درازی مت کرو میرے ساتھ مس....اوہ نہیں نہیں مسز علی خان!"

وہ اس کی نتھلی کو چھوتے ہوئے بولا۔

اس کی آنکھیں رو ما کی نتھلی اور باریک ہونٹوں سے ہوتیں محبت سے بھری نگاہوں میں جا الجھی تھیں۔

کئی پل یوں ہی گزر گئے۔

رومی اس کی آنکھوں کے بدلتے جذبات کو پڑھ کر شرمیلی سی مسکان لیے سر جھکا گئی۔

علی خان بے حد چونکتے ہوئے پھرتی سے اس کے پاس سے اٹھا اور دوسری جانب آخر پہ جا بیٹھا۔

وہ جو اس کے محبت سے تکنے پہ دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی۔ سمٹ رہی تھی.....

حیران رہ گئی۔

"لیمپ آف کرو اور سو جاؤ۔ اب مجھے مخاطب مت کرنا۔"

وہ منہ بسورے چادر سر تک کھینچ گیا۔

"ڈر رہے ہو مجھ سے، میرے حسن سے، میری محبت سے۔ مگر کب تک؟ کب تک اپنے دل کو روکو گے؟"

اس کو چادر میں لپٹے زخمی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں اسے مخاطب کر رہی تھی۔

"علی خان! میری محبت کو اب ہی تو زبان دی ہے تم..... نہیں آپ نے۔

تو کیوں میری زبان پہ تالے لگا رہے ہو؟"

وہ دل ہی دل میں اسے مخاطب کرتی اٹھی اور لیمپ آف کر کے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی۔

"مجھے اپنے جذبات پہ قابو رکھنا ہو گا۔

پتہ نہیں کب کوئی کارنامہ سرانجام دے دے گی۔اب تو اس لڑکی پہ بھروسہ ہی نہیں رہا۔"

وہ کروٹ بدل کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

مگر روما کا وہ مکمل حسن، محبت سے بھری کالی کالی آنکھیں۔

اس کی نگاہوں کے پردے پر چپک کر رہ گیا تھا۔

"استغفار.....استغفار۔"

وہ چادر پھینک کر کانوں کو ہاتھ لگانے لگا۔

"ایسا کون سا جن بھوت دیکھ لیا جو یہ ڈرامے شروع کر دیئے؟"

وہ توبہ کرنے میں مصروف تھا کہ روما تر بالوں کو ٹاول سے رگڑتی ڈریسنگ روم کا دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی۔

اور آنکھیں پھیلائے اس کا ورد سنا۔

"لائٹ مت آن کرنا۔مجھے تمہاری چڑیل جیسی خوبصورت دیکھنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔"

وہ کرخت لہجے میں حلق کے بل چلایا۔

"ہا.....خدا کا خوف کرو علی خان!

اللہ کو جان دینی ہے یا نہیں؟"

لائٹ اس نے آن نہیں کرنی تھی مگر علی کے روکنے پہ وہ ضد میں آ گئی۔

لائٹ آن کر کے وہ لڑاکا عورتوں کی طرح کمر پہ ہاتھ رکھ کے اس کی جانب جا کھڑی ہوئی۔

"اب سمجھا میں کہ ماں نے تمہیں پسند کیوں کیا۔"

وہ تمسخر اڑانے والے انداز میں جلا دینے والی مسکان لیے بولا۔

"تمہاری سوچ بھی الٹ ہے تمہارا دماغ بھی الٹ ہے۔

لگتا ہے بچپن میں آنٹی نے سر پہ جوتیاں مار مار....."

باقاعدہ دائیں ہاتھ کو پھیلائے بائیں ہاتھ کو اس پہ مارا گیا۔

ادھر علی کی آنکھیں سکڑیں اور جبڑے بھینچے گئے۔

"مار مار کے دماغ بیٹھا دیا ہے۔ خیر بول لو تمہارے بولنے سے یہاں کس کو فرق پڑتا ہے۔"

وہ لاپرواہی سے کہتی ہوئی صوفے پر جا بیٹھی۔

"اپنی زبان بند کر کے اپنی اوقات میں رہو۔ تم سے بات کر رہا ہوں اس کا مطلب یہ نہیں کہ

میرے سر پہ چڑھ کر ناچنے لگو۔"

علی نے سائیڈ ٹیبل سے شیشے کا گلاس اٹھا کر فرش پہ دے مارا۔

وہ شیشہ ٹوٹنے اور علی کی گرج دار آواز پہ خوف سے کانپ گئی تھی۔

تیزی سے صوفے پہ گرتے ہوئے وہ منہ کشن میں چھپا گئی۔

علی منہ بسورے پھر سے لیٹ گیا۔

****

وقت کی گاڑی ہنوز پٹری پہ بھاگے جا رہی تھی۔

خواہ کوئی اس کو مانتا یا نہ مانتا وقت کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

ان کی شادی کو آج ایک سال ہو چکا تھا۔ مگر رومی اور علی کے درمیان محبت کا رشتہ قائم نہ ہو پایا۔

ایک چھت تلے رہنے کے باوجود ان دونوں کے درمیان ایک دیوار کھڑی تھی۔

وہ ناشتہ بنا کر ماما بابا کو دے کے چھت پہ چلی گئی۔

شادی کے چھ مہینے کے بعد کوثر بیگم کا رویہ اسکے ساتھ بہت بگڑ چکا تھا۔

علی خان کا رویہ بھی تو اس کے ساتھ ہر وقت خراب رہتا تھا۔

"محلے کی عورتیں باتیں بنانے لگیں ہیں روما کی گود ہری نہیں ہوئی۔

اب تو شادی کو بھی ایک سال ہو چکا ہے۔"

وہ ایک نظر بالکنی میں جا بیٹھی روما پہ ڈال کر پھر سر اٹھا کے آسمان کو دیکھنے لگیں، جہاں موسم برسات کی بدولت بادل چھا چکے تھے۔

"کوئی امید ہی نہیں رہی اب تو مجھے، مزاروں کے چکر لگا لگا کر جوتیاں گھس گئی ہیں۔

خیرات دے دے کر، کئی نوافل ادا کئے۔

کاش میں علی کی بات مان لیتی۔"

وہ سر تھام کر تاسف سے کہتے ہوئے فوجی صاحب کو بہت ہی جاہل عورت لگ رہی تھی۔

"میں جا رہا ہوں کوثر بیگم!"

انہوں نے کوٹ اٹھایا اور کرسی دھکیل کر اٹھ گئے۔

"ارے چائے تو پیتے جائیں۔"

انہوں نے تیزی سے کہا۔

"کوثر بیگم! میں جب سے چھٹی پہ آیا ہوں ہر وقت آپ، ہر کسی کے سامنے اس ایک بات کا ہی رونا رو رہی ہیں

خواہ وہ خاندان کا فرد ہو یا محلے کی عورتیں۔"

انہوں نے سختی سے کہا۔

"کم از کم اس بچی کا تو خیال کر لو۔

کیا گزرتی ہو گی اس پہ یہ..... یہ سب سن کر۔"

وہ تاسف سے ان کے آڑھے ترچھے منہ کے زاویے دیکھ مزید بگڑے۔

"میں تو بس سب سے یہ ہی کہتی ہوں کہ اس کے لیے دعا کریں۔اب اس عمل سے بھی بچی کو تکلیف ہو تو میری کیا غلطی۔"

انہوں نے شانے اچکائے۔

"تم سے تو بات کرنا ہی بیکار ہے۔جا رہا ہوں میں شام تک لوٹ آؤں گا۔"

وہ جیسے ہی پلٹے علی خان کو دہلیز پر رکے دیکھ ایک پل کو خاموش ہوئے اور پھر سے بولے۔

"نہ تمہارے اس صاحب زادے کے تیور مجھے سمجھ میں آ رہے ہیں نہ تمہارے۔

وہ اس گھر کی مالکن ہے۔

علی خان کی بیوی ہے اور اس اتنے بڑے محل جیسے گھر کی رانی مگر تم لوگوں نے...."

وہ دانتوں پہ دانت جمائے سخت نگاہوں سے علی خان کو گھور رہے تھے۔

"تم لوگوں نے اسے نوکرانی بنا کر رکھا ہوا۔

مجھے تو سمجھ نہیں آتی کہ تم دونوں ماں بیٹا کیا کرتے پھر رہے ہو۔

مگر اتنا سن لو اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے جب پڑتی ہے تو بندہ ہوش میں آتا ہے۔ میں جب سے آیا ہوں اسے اس حال میں ہی دیکھا ہے۔

سوچو اگر اس کے جیسا حال تمہاری بہن کا ہوتا تو؟"

وہ علی خان کی جانب بڑھے اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس انداز میں کہا کہ وہ ہڑبڑا کر نگاہیں جھکا گیا۔

فوجی صاحب وہاں رکے نہیں تھے۔

تیز قدم اُٹھاتے چلے گئے۔

جس دن علی خان نے ملتان میں خوبصورت سا بنگلہ خریدا اور وہ لوگ مظفر گڑھ سے نئے شہر نئے محلے میں جا بسے۔

"ماما! آپ کو معلوم ہے آج بہت بڑا آرڈر ملا ہے۔"

وہ خوشی سے سرشار لہجے میں بولا۔

اس کی آواز میں خوشی ہی خوشی تھی۔

وہ رفتہ رفتہ بہت ترقی کر رہا تھا۔

یہ اس کی اپنی ہی لگن کا پھل تھا۔

اس نے آرکیٹیکچر کے ساتھ ساتھ خود کو ایک بزنس مین کی حیثیت سے بھی منوا لیا تھا۔

اس کا آؤٹ فٹ کا کاروبار آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔

اس معاملے میں اس نے چند فرمز کی مدد لی تھی۔

مگر اب جب اس کے پاس سرمائیہ کاری تھی تو وہ اب خود کی ذاتی انڈسٹری تعمیر کروانا چاہتا تھا۔

"ماشاءاللہ ماشاءاللہ....."

وہ اٹھ کر اس کا منہ سر چومنے لگیں۔

"بہت بہت مبارک ہو میرے لال۔ منہ میٹھا کرو۔"

انہوں نے کانچ کی پلیٹ جس میں مختلف قسم کی مٹھائی سجا کر رکھی گئی تھی اس کے سامنے کی۔

علی خان نے برفی کا ٹکرا اٹھاتے ہوئے چاروں اطراف نگاہیں دوڑائیں۔

اسکی نگاہیں جسے ڈھونڈ رہی تھیں وہاں کہیں نظر نہیں آئی۔

"میں اب فریش ہو لوں پھر مل کر بیٹھتے ہیں۔"

وہ شہادت کی انگلی اور انگوٹھے سے میٹھا صاف کرتے ہوئے اٹھا۔

اپنا کوٹ اور لیپ ٹاپ والا بیگ اٹھا کر سیڑھیوں کی جانب بڑھا۔

کوٹ بیڈ پہ اچھال کر، بیگ سائیڈ ٹیبل پہ رکھا اور ٹائی ڈھیلی کرتے ہوئے وہ کھڑکی کی جانب بڑھا۔

پردے پیچھے کرتے اس کے ہاتھ لون کا منظر دیکھ تھم گئے تھے۔

وہ کل ہی آسٹریلیا سے واپس آیا تھا۔

اور واپسی پہ وہ سیدھا اپنے ڈاکٹر دوست کی جانب گیا تھا۔

"دیکھو علی خان!..... تمہیں اگر ایسا لگتا ہے کہ روما بھابھی پہلے سے سموکنگ نہیں کرتی تھی اب کرنے لگی ہے تو اس کا مطلب ہے صرف تمہاری غلطی ہے۔"

اس نے جب ڈاکٹر سے بات کی تو وہ سنجیدگی سے بولا۔

"میری غلطی؟"

اسے حیرانی ہوئی۔

"ہاں جی تمہاری غلطی۔

یاد کرو کہ کہاں تمہاری غلطی ہے۔"

اب وہ کیا بتاتا کہ ہر جگہ اس کی ہی غلطی ہے۔

"مگر یار.... سعد! وہ تو بہت نفرت کرتی تھی سموکنگ سے۔

میں جب بھی سموکنگ کرتا تھا اٹھ جاتی تھی، مجھے ٹوکتی تھی۔"

"ہوں ایسا ہے تو..... اب کیا کنڈیشن ہے؟

کیا کبھی ان کے سر میں درد رہا ہے؟"

ڈاکٹر سعد کے سوال پہ وہ سوچ میں ڈوب گیا۔

"جب ہماری نئی نئی شادی ہوئی تھی تو جب میں سموکنگ کرتا تو وہ میرے پاس سے اٹھ جاتی تھی مگر میں زبردستی اسے اپنے پاس رکنے پہ مجبور کرتا۔

رفتہ رفتہ حالات یہ ہوئے کہ میں سموکنگ کرتا تو وہ آرام سے بیٹھی رہتی۔

کبھی منہ بھی نہ بسورا۔

مجھے لگا جان بوجھ کر ایسا کرتی تاکہ میں اسے اٹھنے کا کہہ دوں۔

مگ پھر اس کے سر میں اکثر درد بھی اٹھتا تھا اور وہ ٹھیک بھی تب ہی ہوتی جب میں اس کے پاس بیٹھتا۔"

دیوار کو گھورتے ہوئے وہ کھوئے کھوئے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"میں سمجھتا تھا کہ وہ میرے قریب ہونے سے ٹھیک ہو جاتی ہے مگر....."

"تم غلط تھے علی! وہ تمہارے ہاتھ میں پکڑی سگریٹ کی بدولت ٹھیک ہوتی تھی۔"

ڈاکٹر سعد نے خاموشی سے سب سنتے ہوئے افسردگی سے اس کی بات کاٹی۔

"مجھے یقین نہیں ہو رہا کہ تم نے ایک لڑکی کی پوری لائف تباہ و برباد کر دی۔ اس سے بہتر تھا کہ تم اس کو مار پیٹ لیا کرتے۔

تاکہ اس کے زخم جلد بھر جاتے مگر اب....."

"اب کیا؟ میں اسے روک سکتا ہوں اور روکوں گا۔"

وہ سعد کی بات کاٹ کر تیزی سے اٹھا تھا۔

"سٹاپ اٹ علی خان!..... یہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔"

اس کو شانوں سے تھامے پیچھے کو دھکیلتے ہوئے وہ نرمی سے بولا۔

"اس..... اس کا کیا علاج ہے؟ یکدم تو وہ چھوڑے گی نہیں اور چھڑوا دی تو اس کی صحت....."

وہ ہونٹوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے غیر ہموار لہجے میں گویا ہوا۔

"انہیں آہستہ آہستہ محبت سے اس لت سے ہٹاؤ۔

تمہارے پاس ان کے لیے وقت نہیں ہوتا اور انہوں نے سموکنگ کو ہی اپنا ساتھی بنالیا۔"

ڈاکٹر سعد نے کہنا شروع کیا تھا۔

"اور تم جانتے ہو کہ جو نشے کی لت پہ لگ جاتا ہے وہ بہت مشکل سے اس راستے سے اترتا ہے۔

تم خود کو ہی دیکھ لو۔"

اس نے اشارہ اس کی جانب کیا۔

وہ تقریباً صوفے پہ گرا ہی تھا۔

"میں ایسا کچھ بھی نہیں چاہتا تھا یار....!

مجھے معلوم نہیں تھا کہ میرے تھوڑے سے ٹارچر کے اتنے بھیانک نتائج نکلیں گے۔"

بالوں کو مٹھیوں میں جکڑے وہ اپنی کیفیت پہ قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا مگر خوف کے

مارے آواز لرز گئی۔

"تم نے آخر ایسا کیا ہی کیوں؟

بہت محبت تھی نا تمہیں ان سے پھر....."

"محبت تھی نہیں ہے۔ مگر....."

وہ اب کیا بتاتا کہ اس کو کیا پرابلمز ہیں روما سے۔

"تم بس مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں۔"

"سختی تو کبھی مت کرنا۔"

اس نے سختی سے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔

"مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم میری عادی نہیں بلکہ نشے کی عادی ہو جاؤ گی۔کاش تم.....میری عادی ہو جاتی۔"

وہ افسردگی سے سر جھکا سامنے بیٹھے وجود کو دیکھنے لگا۔

سنگی بینچ پہ وہ بیٹھی تھی کالا لباس زیب تن کیے۔کھلے بالوں کو ایک شانے پہ ڈالے۔اس کے دائیں ہاتھ میں جلتی سگریٹ تھی اور اس کا سر بینچ کی پشت پر گرا ہوا تھا۔

اتنی دوری سے بھی وہ اس کے عنابی ہونٹوں اور آنکھوں کے گرد پڑتے حلقوں کو دیکھ رہا تھا۔

سختی سے لب بھینچے اس نے ایک زور کا مکا دیوار پر برسایا تھا۔

تیزی سے وہاں سے پلٹا سیڑھیاں اترا تھا اس کا رخ لان کی جانب تھا۔

اس نے سگریٹ کے بچے ہوئے حصے کو گھاس پہ پھینکا اور پاؤں رکھ کر مسلتے ہوئے ابھی پلٹی ہی تھی کہ سامنے کھڑے علی خان سے ٹکرا گئی۔

اگر وہ ٹھیک وقت پر اسے نہ تھامتا تو وہ گر جاتی۔

"تم ٹھیک ہو؟"

وہ محبت بھرے لہجے میں گویا ہوا۔

وہ ٹھٹھک گئی۔

"علی خان! اتنا میٹھا نا بولا کرو زہر لگتے ہو۔"

وہ اس کے ہاتھوں کو جھٹکتے ہوئے بولی۔

"یہ سب کیا تھا؟"

"جو تم کرتے ہو۔"

کمال بے نیازی سے جواب دیا گیا۔

"میں مرد ہوں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔"

اس نے اسے شانوں سے تھام کر اپنے سامنے کیا۔

وہ استہزائیہ ہنس دی۔

"جانتی ہوں تم کچھ بھی کر سکتے ہو۔ کیونکہ تم مرد ہو۔"

دانتوں پہ دانت جمائے وہ اس کے ہاتھ جھٹکتی آگے بڑھ گئی۔

"سموکنگ چھوڑ دو میں تمہارا ہو جاؤں گا یہ میرا وعدہ رہا۔"

یہ آخری طریقہ تھا۔

وہ دونوں بیک وقت ایک دوسرے کی جانب پلٹے تھے۔

"ڈیل اچھی ہے۔"

سینے پہ ہاتھ باندھے وہ بولی

"تو پھر..... سوچو اور بتاؤ۔"

"مگر کیا ہے نا..... مجھے اب تمہاری خواہش ہی کہاں ہے۔"

دوٹوک لہجے میں کہتے ہوئے وہ پھر سے پلٹ گئی تھی۔

"میں بھی سموکنگ چھوڑ دوں گا۔"

ایک مرتبہ پھر سے کوشش کی گئی۔

"تم تو کچھ بھی چھوڑ سکتے ہو۔ چھوڑنے کے سوا تمہیں آتا ہی کیا ہے۔"

وہ قہقہہ لگا کر کہہ رہی تھی۔

"میں سریس ہوں۔ تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔"

وہ اس تک پہنچتے ہوئے چلایا تھا۔

وہ بھنویں آچکا کر اطمینان سے اسے دیکھ رہی تھی۔

اور علی خان حیران رہ گیا کہ اس مرتبہ وہ ڈری نہیں تھی۔

"علی خان! یہ جو تم نے محبت کی سزا مجھے دی ہے نا۔

یہ مجھے ختم کر دے گی۔ بلکہ ختم کر رہی ہے۔"

طویل ہوتی خاموشی کو روما کی آواز نے توڑا تھا۔

اور وہ پھر بنا رکے وہاں سے چلی گئی۔

وہ کئی پل خالی نگاہوں سے اس خالی راستے کو تکتا رہ گیا۔

****

"روما.....! کم از کم کپڑے تو بدل لو

خدا کا واسطہ تمہیں یہ کالا رنگ اتار دو۔"

اگلے دن وہ ان تینوں کو کھانا سرو کر رہی تھی کہ کوثر بیگم نے قدرِ غصے سے کہا۔

علی خان نے ہاتھ میں پکڑے فون سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کیا فائدہ جب آپ کے بیٹے کو ہی میری فکر نہیں ہے۔" وہ بس سوچ ہی سکی تھی۔

کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے اس نے ایک نظر علی پہ ڈالی تھی جو انہماک سا اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"میں آج شاپنگ پہ جا رہی ہوں تم اگر چاہو تو میرے ساتھ چل سکتی ہو۔"

انہوں نے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔

"نہیں ماما! مجھے آج لائبریری کی صفائی کرنی ہے۔"

وہ سر جھکا کر اپنے ناشتے کی جانب متوجہ ہوئی۔

علی خان ہاتھ صاف کرتا کچھ سوچ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اوکے ماما! میں ذرا ریسٹ کر لوں۔"

وہ دو انگلیوں سے پیشانی مسلتے ہوئے گویا ہوا۔

"آفس نہیں جا رہے؟"

انہوں نے استفسار کیا۔

"آفس کے لیے ایک دم تیار بیٹھا تھا اب کیا سانپ سونگھ گیا؟"

رومانے بنا اس کی جانب دیکھے سوچا تھا۔

"طبیعت بوجھل سی ہو رہی ہے۔ سر میں بھی درد ہے تو سوچ رہا ہوں زمان کو کال کر کے کہہ دیتا ہوں کام سنبھال لے۔"

وہ اپنا کوٹ بازو پہ ڈالتے ہوئے گویا ہوا۔

"ٹھیک ہے مگر زمان کی تو شادی نزدیک ہے اب اسے مظفر گڑھ بھیج دو۔دن ہی کتنے باقی ہیں... صرف دو مہینے... میں تو کہتی ہوں روما بھی اس کے ساتھ چلی جائے، کتنی تیاریاں کرنی ہوتی ہیں۔"

"ٹ ٹھیک ہے جیسے....."

اس نے نظروں کا رخ روما کی جانب کیا جو سنجیدگی سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو اور رونا کو بہتر لگے۔"

وہ فون جیب سے نکال کر اس پہ انگلیاں چلانے لگا۔

"میں کہیں نہیں جا رہی ماما! ابھی دو مہینے پڑے ہیں۔ایک ہفتہ پہلے جاؤں گی۔"

وہ اٹھ کر کہتی کرسی دھکیل کر کچن کی جانب بڑھ گئی۔

علی خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی جسے وہ دانتوں تلے ہونٹ دبا کر چھپاتا سیڑھاں چڑھ گیا۔

"روما....! علی کے لیے سٹرانگ سی چائے بناؤ اور ساتھ میں پین کلر دے دو۔میں جا رہی ہوں۔"

وہ چادر سر پہ اوڑھے کچن تک آئی تھیں۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ پلٹ گئیں۔

وہ کام والی ماسی کو برتن سمیٹنے کا کہہ کر خود چائے بنانے لگی۔

"آپ کی چائے اور یہ پین کلر۔"

وہ بیڈ پہ ٹانگیں پھیلائے، سر بیڈ کراؤن سے لگا کر بیٹھا تھا۔

"یہاں بیٹھو۔"

اس نے چائے کا مگ اٹھا کر ہونٹوں سے لگاتے ہوئے، ٹانگیں سمیٹ کے اسے اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کیا

"جی آپ یہاں ہی بتا دیں۔"

وہ ہتھیلیاں رگڑتے ہوئے بولی۔

"سموکنگ چھوڑ دو۔"

وہ بہت مشکل سے یہ لفظ ادا کر رہا تھا۔

"کیا یہ وہ ہی پرانے والا علی خان ہے؟

جس نے میرے کردار پہ انگلی اٹھائی؟، اب کیوں میری اتنی فکر ستا رہی ہے؟"

وہ طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے آگے بڑھی اور اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

وہ خاموش ہی تو ہو گیا تھا۔

"اوہ ہاں..... یہ سب تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے اسی لیے مجھے ٹھیک کرنا چاہتے ہو نا؟"

وہ یاد کرتے ہوئے ہونٹوں پر انگلی رکھ تمسخر اڑانے والے انداز میں ہنسی تھی۔

"میں نے تمہیں سموکنگ پہ نہیں لگایا سمجھی تم۔ یہ تمہاری اپنی غلطی ہے کیا ضرورت تھی تمہیں سموکنگ کرنے کی؟"

وہ اس کا ہاتھ دبوچ کر سخت لہجے میں گویا ہوا۔

"میرا سر بوجھل ہونے لگتا ہے۔ جیسے تمہارا نشہ میرے سر چڑھ بولتا ہے ویسے ہی تمہاری لگائی اس سموکنگ کی لت لگ چکی ہے۔

بہت کوشش کر رہی ہوں مگر اب ممکن نہیں۔"

وہ دانتوں پہ دانت جمائے کہہ کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے آزاد کروا چکی تھی۔

شانے پہ بکھرے بالوں کو سمیٹ کر کمر پہ ڈالتی وہ اٹھنے لگی۔

"میرا جو نشہ سر چڑھ بولتا تھا تو کیوں تم نے کسی دوسرے نشے کو اپنی عادت بنا لیا؟" اس کی کلائی تھام کر وہ بھی اسی کے انداز میں گویا ہوا تھا۔

وہ محض اس کے چہرے پر نگاہیں دوڑا رہی تھی۔

"تم اگر چاہتی ہو کہ میں سموکنگ چھوڑ دوں تو تم مجھے اپنے دو ہفتے دے دو....."

وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"کیا مطلب؟ تمہارا دماغی توازن برقرار نہیں لگ رہا مجھے۔"

وہ سر جھکائے بولی۔

"مطلب دو ہفتے صرف میرے۔ تمہارے دن رات، تمہارا ایک ایک پل میرا۔"

وہ اس کی بات اگنور کرتے ہوئے گھمبیر لہجے میں بولا۔

"تمہارا مطلب تم اب میری سانسیں بھی روکنا چاہتے ہو؟"

آواز سرگوشی کے برابر تھی۔

علی خان نے چہرہ اس کے چہرے کے نزدیک کیا۔

"نہیں اپنی سانسیں تمہارے نام لکھنا چاہتا ہوں۔"

مسکراتے ہوئے وہ بھی سرگوشی میں بولا۔

"دو ہفتے کے بعد پھر....؟"

وہ خفگی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"پھر کی پھر دیکھی جائے گی۔ بولو ڈیل منظور ہے؟"

اس نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے کیا۔

وہ سوچنے لگی پھر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رکھ دیا۔

"مگر میری ایک شرط ہے۔"

اس نے جب ہاتھ کھینچنا چاہا تو علی خان نے پکڑ مضبوط کر لی۔

"اور وہ کیا؟"

رومانے نظریں جھکائے اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"ہم اپنے گزرے کل کے متعلق نہیں سوچیں گے۔ ان دو ہفتوں کو صرف حال میں ہی زندگی گزاریں گے۔"

"یعنی آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ سے محبت نہ کروں؟

کیونکہ وہ مجھے ماضی میں ہی ہوئی تھی۔ اگر اسے بھلا دیا تو محبت بھی تو بھول جائے گی۔"

کتنا کھویا کھویا لہجہ تھا۔

علی خان نے سرعت سے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں نے بہت غلط کیا ہے نارومی!

تمہاری روشن آنکھوں سے روشنی نوچ لی تمہارے ہونٹوں کی مسکراہٹ بھی ختم کر ڈالی۔"

وہ سوچتے ہوئے اس کا ہاتھ کھینچ اسے اپنی جانب جھکنے پر مجبور کر گیا تبھی

علی خان نے آگے بڑھ کر اسے اپنے سینے میں چھپا لیا۔

"تم نے میری کوئی بات بھی کبھی بھی رد نہیں کی، اس مرتبہ بھی رد مت کرو۔"

وہ اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے بولا۔

وہ اس کی محبت کی چھاؤں کو پا کر جی بھر کے رو دی۔

اس کی شرٹ روما کی مٹھیوں میں اس طرح سے جکڑی تھی کہ وہ چھوڑنے کو تیار نہیں تھی۔

"ن نہیں کروں گی رد، مگر علی خان! آپ..... آپ مجھے چاہیے..... ہمیشہ کے لیے۔"

محبت نے اس کی انا کو پھر سے کچل دیا تھا۔

علی خان کے چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں بھر کر وہ التجاء بھرے لہجے میں بولی۔

"میں تمہارا ہوں روما! ہمیشہ سے تمہارا تھا۔ تم نے کیوں نہ مجھے اپنی محبت سے بدلا؟

کیوں خود کو میری محبت کے نشے کی بجائے سموکنگ کا عادی بنا لیا؟"

وہ کہنا چاہتا تھا مگر یہ لفظ بہت کم تھے۔

جو درد وہ اس کے عشق میں سہہ رہی تھی اس کے سامنے تو یہ لفظ کیا اس کی محبت بھی کم تھی۔

"تم مجھے بتا بھی سکتی تھی کہ تمہیں بہت زیادہ پرابلم ہوتی ہے سموکنگ سے۔"

اس نے نرمی سے روما کا ہاتھ تھام کر سر جھکائے بولا۔

اس کی نرمی روما کو عجیب سی کشمش میں مبتلا کر گئی کہ وہ شخص اس کا ہونے کو اتنی جلدی کیسے تیار ہو گیا؟

مگر اب وہ اس کے ساتھ وعدہ کر چکی تھی دو ہفتے محض اس کے لیے گزارنے کا۔

مگر وہ کہاں جانتا تھا یہ جوگن تو ایک ایک پل اس کے لیے گزارتی ہے۔

پر اب تو وہ ساتھ ہونا تھا۔

وہ یہ نہیں سوچنا چاہتی تھی کب تک مگر اسے موقع مل رہا تھا علی خان کو سموکنگ کی جانب سے روکنے کا۔

اور علی خان کو اسے جاننے کا اس کے قریب جانے کا۔

اور شاید یہ ہی وہ دن تھے جنہوں نے ان دونوں کو اتنا وقت ایک دوسرے سے دور رکھا۔

کیونکہ انسان نہیں جانتا مگر ہر عمل میں کوئی نہ کوئی بہتری ہی ہوتی ہے۔

اگلے ہی دن شہروز آ کر کوثر بیگم کو لے گیا تھا کیونکہ وہاں سحر کو ان کی ضرورت تھی۔

پریگنینسی میں عورت کو اپنی ماں بہن کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے، اور کوثر بیگم نے سارا گھر روما کے سپرد کیا اور رخصت ہو گئیں۔

***

"علی خان....! اٹھیں ناشتہ ریڈی ہے۔"

وہ ناشتہ ٹرے میں سجائے بیڈ روم میں داخل ہوئی تو وہ سو رہا تھا۔

اس کا دل چاہا تھا کہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر نیند سے بیدار کرے..... مگر ہمت ہی نہیں ہوئی۔

"آفس بھی جانا ہے آپ نے کیوں سو رہے ہیں.... اٹھیں۔"

آگے بڑھ کر کمبل کھینچتے ہوئے وہ کرخت لہجے میں گویا ہوئی۔

"اٹھ رہا ہوں بھئی کیوں چلا رہی ہو۔"

وہ خمار آلودہ آنکھوں کو کھولنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"میں نے آفس کا سارا کام زمان کے سپرد کر دیا ہے اور اب خود ہر وقت تمہارے پاس رہنا ہے۔"

آنکھیں رگڑتے ہوئے وہ عام سے لہجے میں بولا۔

کل والی وارفتگی پھر سے غائب تھی۔

"ہا..... آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم نے جب اسے پوری طرح اپنا بنانے کے متعلق سوچ ہی لیا ہے تو تھوڑا حوصلہ بھی رکھو۔"

وہ دل میں سوچتے ہوئے اس کے پاس بیٹھ گئی۔

علی خان کی نظر جب اس پہ پڑی تو مسکرا دیا۔

گلابی پرنٹڈ لان کے سٹائلش شلوار قمیض پہ ریشمی آنچل شانے پہ ڈالے۔

ہاتھوں میں چوڑیاں اور لائٹ میک اپ۔

بس ایک لپ اسٹک تھی جو گہری تھی۔

کیونکہ اس کے سفید و سرخ چہرے پر سجے ہونٹوں پر علی خان کو گہرے رنگ ہی پسند تھے۔

"بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔"

اس کی جانب سے پہلی مرتبہ تعریف پا کر وہ تو سن ہی ہو چکی تھی۔

"میں ابھی آتا ہوں تم ناشتہ میز پہ لگاؤ۔"

وہ شرٹ کے بٹن کھولتا وارڈروب کی جانب بڑھا وہاں سے بیلو نیر و جینز اور سفید بغیر آستینوں والی ٹی شرٹ نکال کر واش روم گھس گیا۔

وہ چونکی اور دل سے مسکراتے ہوئے کھانا صوفے کے سامنے پڑی شیشے کی میز پہ لگانے لگی۔

"یا اللہ ہم دونوں کی زندگی میں ایسا محبت کا موسم لا جو کبھی بھی بدلے نہ۔

علی خان ہمیشہ میرے ہو کر رہ جائیں۔"

صوفے پہ بیٹھتے ہوئے وہ ہاتھوں کو آپس میں جکڑے تھوڑی تلے ٹکائے دعا گو تھی۔

کچھ دیر بعد وہ واش روم سے باہر نکلا تھا۔

"آج تو صبح کی واک بھی مس ہو گئی۔اب تمہارے ساتھ رہنا ہے پتہ نہیں کیا کیا نس ہونے والا ہے۔"

وہ اس کے عقب میں بیٹھ کر مسکراتے ہوئے اس نے مضحکہ خیز انداز میں کہا تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے چہرے کے زاویوں پہ ہنس دی۔

"فلحال تو آپ سب کچھ مس کر چکے ہیں۔"

اس کے لیے جوس گلاس میں ڈالتے ہوئے بولی۔

وہ بنا کچھ بولے بس مسکرا کر بریڈ پہ جام لگانے لگا۔

ناشتے کے بعد جب وہ برتن سمیٹ کر نیچے رکھنے گئی تو علی خان کو شدت سے سگریٹ کی طلب محسوس ہوئی مگر اس نے سختی سے خود کو نفی کی اور اٹھ کر لیپ ٹاپ لے کر بیڈ پہ بیٹھ گیا۔

اسے اپنی فرم کا ڈیزائن تیار کرنا تھا جو تقریباً مکمل ہو چکا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ برتن دھو کر اوپر آئی تو علی خان نے ہاتھ کے اشارے سے ہی اسے اپنی جانب بلایا۔

"اچھا بتاؤ یہ ڈیزائن کیسا ہے؟"

وہ لیپ ٹاپ اس کی جانب گھوما کر بولا۔

"مجھے کیا معلوم....."اس نے نا سمجھی سے شانے آچکائے۔

"مووی دیکھیں۔"

وہ جو لیپ ٹاپ پہ مکمل طور پر مصروف ہو چکا تھا اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"مگر میں موویز نہیں دیکھتا۔ یہ تو بچوں کے کام ہیں۔"

وہ سنجیدگی سے بولتے ہوئے پھر سے لیپ ٹاپ کی جانب متوجہ ہوا تو وہ سر پیٹ کر خود پہ لعنتیں بھیجتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں نیچے جا رہی ہوں۔ آپ اپنا کام مکمل کر لیں۔"

وہ ناراضگی سے کہہ کر چلی گئی۔

علی خان نے بس سر ہی اثبات میں ہلایا تھا۔

وہ جب اپنے کام سے نکلا تھا روما کا نارا ضگی بھرا لہجہ سنائی دیا۔

اس نے تیزی سے پاؤں چپل میں پھنسائے اور باہر کی جانب بڑھا۔

ٹی وی لاؤنج پہنچا تو اس کے قدم روما کی بات نے روک دیئے

"چھوٹی بیگم صاحبہ ! محلے والی عورتیں بڑی باتیں کرتی ہیں جی۔ وہ جو اپنی شمشاد ہے نا جی۔"

کام والی ماسی نے اسے اکیلا پا کر اپنی عادت کے مطابق ساری خبریں سنانی شروع کر دیں۔

وہ صوفے کے کشن ٹھیک کرتے ہوئے اس کی بات بھی سن رہی تھی۔

"وہ کہہ رہی تھی کہ جو لڑکی علی صاحب کے ساتھ آتی ہے اس کے ساتھ انہوں نے شادی کر رکھی ہے۔ کیونکہ آپ انہیں اولاد جو نہیں دے سکتیں۔

وہ کہہ رہی تھیں سبز قدم لڑکی ہے جب جائے گی تو علی صاحب کو اولاد نصیب ہو گی۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے اولاد تو اللہ کے ہاتھ میں ہے نا۔"

وہ کہہ کر خاموش ہوئی تو روما کے ہونٹوں پر زخمی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"سکینہ ماسی...! آپ جانتی ہیں نا کہ مرد کو اس کی عورت سے بہتر کوئی عورت نہیں جان سکتی؟"

اس نے استفسار کیا تو ماسی نے گلدان صاف کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"تو پھر آپ اس بات پہ یقین نہ کریں کیونکہ علی خان کو صرف میں جانتی ہوں۔

اور وہ ایسے نہیں ہیں کہ دوسری شادی کر لیں یا اپنی بیوی کو دھوکہ دیں گے۔

وہ مجھ سے جس قدر محبت کرتے ہیں میں بھی..... نہیں جانتی ان کی محبت کی گہرائیوں کو۔

اور دوسری بات اولاد تو واقع ہی اللہ دیتا ہے تم دعا کرو نا کہ اللہ مجھے بھی دے دے۔"

وہ مسکرا کر سر صوفے کی پشت پر گرا آنکھیں موند گئی۔

ایک اچھی بیوی ہونے جا فرض نبھا رہی تھی وہ۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ ادیبا اور علی کے درمیان کا رشتہ ہے۔

مگر اس کا دل علی کے متعلق بد گماں تو تھا مگر اتنا نہیں تھا۔

"علی صاحب...! وہاں کیوں کھڑے ہیں آپ آئیں بیٹھیں نا..... میں تو ابھی جا ہی رہی تھی۔"

وہ تیزی سے کہہ کر وہاں سے چلی گئیں۔

علی کھوئے کھوئے انداز میں قدم اٹھاتا اس کے پاس آ بیٹھا تھا۔

"آپ کا کام مکمل ہو گیا؟"

وہ اس کی نگاہوں کی تپش کو محسوس کرتے ہوئے خود میں ہی سمٹ رہی تھی۔

"ہوں ہو گیا مکمل..... میں ذرا بینک جا رہا ہوں۔"

وہ اٹھا تو وہ بھی ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کب تک آ جائیں گے؟"

خوف اس کے چہرے پر رقصاں تھا۔

علی خان نے پلٹ کر دیکھا اور پھر بولا۔

"تم بھی چلو میرے ساتھ۔"

"م م میں.....؟"

"جی آپ۔"

وہ جب غصے میں ہوتے تو تمیز بھول بھال کر ایک دوسرے کو تم توں پکارتے اور جیسے ہی جن بھوت اترتے آپ پہ آجاتے۔

"وہ میری چادر....."

علی خان جو وارڈروب سے چیک بک نکال رہا تھا اس کی آواز پہ پلٹا۔

ہاتھ بڑھا کر اوپر والے خانے میں پڑی کالی چادر اٹھا کر اس کی جانب بڑھائی اور پھر سے چیک بک تلاشنے لگا۔

بینک کے کام سے فارغ ہو کر وہ دونوں لونگ ڈرائیو پہ چلے گئے تھے۔

"کیا ہوا بہت خاموش ہو؟"

روما ہنوز کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی اس کے مخاطب کرنے پہ متوجہ ہوئی۔

"علی خان! سب کچھ بہت عجیب عجیب سا لگ رہا ہے۔

جیسے خواب ہو..... مگر میں چاہتی ہوں علی خان! کہ....."

گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس نے لب بھینچے۔

"کہ.....؟"

"کہ یہ خواب کبھی نہ ٹوٹے۔ میں ہمیشہ اس میں ہی رہوں۔"

وہ انہماک سی اسے دیکھتے ہوئے اظہار کر رہی تھی۔

"یہ حقیقت ہے روما....!اور حقیقت بدلتی نہیں ہے۔"

وہ سنجیدگی سے بولا۔

وہ مبہم سا مسکرا کر خاموش ہو گئی۔

ڈنر کے بعد وہ لوگ گھر واپس آئے تھے۔

اس ایک دن میں ہی دونوں ایک دوسرے کے ساتھ کافی حد تک بے تکلف ہو چکے تھے۔

غیر محسوس انداز میں روما نے ضد کرتے ہوئے ایک دو موویز بھی اس سے خریدنے کو کہا جو معمولی سی مزاحمت کے بعد وہ مان گیا۔

علی خان کا رنگ تب تب بدل رہا تھا جب جب وہ اس کے سامنے دل کا حال بیان کر رہی تھی۔

بار بار شیطان اس کے دماغ میں یہ بات ڈالتا کہ.....وہ شہروز خان اور شان سے بھی اسی طرح کہتی ہو گی۔

مگر وہ ایسے خیالات کو جھٹک دیتا۔

"روما....!کیا ہمارے درمیان دوستی ہو سکتی ہے؟"

وہ دونوں ایک ساتھ صوفے پر بیٹھے ہیرو رفلم دیکھ رہے تھے کہ روما نے ڈر کے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

چند پل وہ اسے دیکھتا رہا پھر آہستگی سے گھمبیر آواز میں بولا۔

روما چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

ساری لائٹس آف تھیں اور لیپ ٹاپ کی روشنی بھی علی خان کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو واضح کر رہی تھی۔

وہ چھنپ کر تھوڑا سا اس سے فاصلے پر ہوئی مگر علی خان کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں ہی تھا جسے وہ چھوڑنا بھول چکی تھی۔

"کتنے دنوں کے لیے؟"

دوٹوک انداز میں استفسار کیا گیا۔

"جب تک تم چاہو.....زندگی بھر کی بھی....اگر تم چاہو۔"

اس نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے مووی سٹاپ کی تھی۔

اس کے ارادے درست نہیں لگ رہے تھے۔

روما کا دل تیز رفتار میں دھڑکنے لگا تھا۔

"میری چاہت کوئی اہمیت نہیں رکھتی آپ کی زندگی میں۔مجھے آپ کی نگاہوں میں اپنے لیے صرف اور صرف رحم نظر آتا ہے محبت نہیں۔"

وہ اس کے ہاتھ کو تھپک کر اٹھنے ہی لگی تھی کہ علی خان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"دیکھو روما! مجھے بڑے بڑے ڈائیلاگ نہیں جھاڑنے آتے۔

مجھے اظہارِ محبت بھی نہیں کرنا آتا۔"

"ہاں سختی کرنی ضرور آتی ہے۔"

کاٹ دار لہجے میں کہتے ہوئے وہ اس کا ہاتھ جھٹک بیڈ کی جانب بڑھ گئی۔

وہ بس وہاں ہی بیٹھا رہ گیا۔

"اتنی جلدی تو اب میں بھی آپ کی باتیں ماننے والی نہیں ہوں مسٹر علی خان!"

وہ خود کو داد دیتی لیٹ چکی تھی۔

اگلے دن جب وہ اٹھی تو اس کچھ غیر معمولی چیز کا احساس ہوا۔

سر اٹھا کر دیکھا تو آج درمیان میں پلو نہیں تھے۔

علی خان کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔وہ آنکھیں پھیلائے علی خان کو دیکھے گئی جو سکون سے سو رہا تھا۔

پھر نرمی سے اس کے بالوں میں انگلیاں چلا کر مسکرا دی۔

جیسے جیسے دن گزر رہے تھے ان کے درمیان موجود دیوار ٹوٹنے لگی تھی۔

نزدیکیاں بڑھنے لگی تھیں۔

وہ اب ایک پلیٹ میں کھانے لگے تھے، کافی کا ایک بڑا مگ بنتا،

دیر رات تک باتیں کرتے رہتے۔

علی خان کو مووی پسند نہیں تھیں مگر اب وہ مووی بھی دیکھنے لگتا تھا۔

"روما....! کہاں ہو تم.....روما....!"

وہ اسے پکارتے ہوئے کمرے میں آیا۔

روما نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"کیا ہوا.....آپ چلا کیوں رہے ہیں میں تو یہاں ہی ہوں۔"

وہ اس کے پریس شدہ کپڑے ہینگر پہ لٹکا کر وارڈروب میں رکھ رہی تھی۔

"اتنی رات کو تمہیں یہ کیا سوجھی۔ چھوڑو انہیں اور چلو میرے ساتھ تمہیں کچھ دکھانا ہے۔"

وہ اس کے ہاتھ سے کپڑے لے کر بیڈ پہ پھینکتا روما کا ہاتھ تھامے باہر کی جانب بڑھا۔

"ارے بھئی کیا ہو گیا کہاں لے جا رہے ہیں مجھے؟"

"ایک سرپرائز ہے۔"

وہ اس کا بازو اپنے بازو میں ڈالتے ہوئے آنکھ دبا کر بولا۔

"اچھا چلیں۔"

اس کے شانے پہ تھپکی دے کر وہ ہنس دی۔

جیسے ہی وہ روما کو پیچھلے لون میں لے گیا وہ تو خوشی سے پھٹی پھٹی نگاہوں کو سامنے والے منظر پہ گاڑھے رہ گئی۔

"تم چاہتی تھی نا کچھ ایسا ہی۔"

اس نے کہا۔

وہ اثبات میں سر ہلاتی آگے بڑھی۔

وہاں ایک سمال بیڈ تھا جس پہ سفید چادر ڈالی گئی تھی۔ سامنے چھوٹی میز تھی جس پہ لیپ ٹاپ پڑا تھا۔

بیڈ کو چاروں اطراف سے سفید ریشمی پردوں کے چھپار کھا تھا جنہیں جدید ڈیزائن کے لکڑی کے ڈنڈوں کے سہارے لٹکایا تھا اور چاروں ڈنڈوں پہ گلاب کے پھول باندھے گئے تھے۔

پردوں پہ گولڈن لائٹس گرائی گئی تھیں جو ماحول کو مزید پر کشش بنا رہی تھیں۔

اس نے پلٹ کر علی خان کو دیکھا جو سینے پہ ہاتھ باندھے کھڑا اس کے خوشی سے جگمگاتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"کیسا لگا سرپرائز۔"

اس نے پوچھا تو وہ نم آنکھوں کے سنگ اثبات میں سر ہلا گئی۔

چونکتے ہوئے اس نے اپنے لباس کو دیکھا جو سرخ تھا۔

سرخ لمبی سادی مگر نفیس ڈزائن والی میکسی زیب تن کیے ہوئے تھی۔

پھر اس نے علی خان کو دیکھا جو سفید بٹنوں والی ریشمی شرٹ اور نیلی نیرو جینز میں ملبوس تھا۔

"مگر آپ کو کیسے معلوم ہوا میرے ڈریم کے متعلق؟"

وہ جھجھکتے ہوئے بولی۔

"جب تم سحر سے ایک مرتبہ اپنے اسی ڈریم کے متعلق کہہ رہی تھی کہ اپنے شوہر کو رومانٹک سی رات میں رومانٹک انداز میں ہیرو رمووی دکھا دکھا کر مارو گی۔"

بات کے اختتام پر اس نے نیچلے لب کو دانتوں تلے دبائے کہا تو وہ شرم سے سرخ پڑ گئی۔

وہ آگے بڑھا اور اس کا ہاتھ تھام کر بیڈ پہ جا بیٹھا۔

"تو کون سی مووی پلے کروں؟

وہ آگے کو جھکے موویز کے نام پڑھتے ہوئے بڑبڑایا۔

".The twilight saga new moon"

جیسے ہی اس کی نظر لیپ ٹاپ کی سکرین پہ پڑی بے اختیار ہی وہ کہہ اٹھی۔

علی نے آنکھیں پھیلائے اسے تقریباً گھورا تھا۔

"یہ ہیرو رمووی نہیں ہے۔"

علی نے اپنے لفظوں پہ زور دیتے ہوئے کہا۔

"مگر ہے.... یہ میں نے دیکھ رکھی ہیں۔

بہت..... ہی ڈراؤنی ہے۔ایک ویمپائر ہوتا ہے...."

وہ تجسّس آمیز لہجے میں سرگوشی کر رہی تھا.... بلکہ اسے ڈرانے کی کوشش تھی۔

اس نے اسے گھوری نوازی۔

"اور اس ویمپائر کو پھر ایک انسان لڑکی سے محبت ہو جاتی ہے.... پھر صرف

بکواس.. ہو..... ہو ہو۔"

وہ کون سا کم تھا اس کے انداز میں بولا۔

"نہیں بکواس نہیں بس رومانٹک....."

وہ شانے اچکاتے ہوئے اپنی بات درمیان میں چھوڑ گئی۔

"خیر کوئی اور..... مووی...."

وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

"ہاہاہا..... سوچو اگر میں ویمپائر ہوتا تو؟"

وہ مووی پلے کرتے ہوئے پیچھے ہٹ کر بیٹھ گیا۔

گردن گھما کر اپنے قریب بیٹھی روما کو دیکھنے لگا۔

"تو..... پھر آپ کو مجھ سے عشق ہو جانا تھا جیسے ایڈورڈ کو بیلا سے ہوا۔"

لیز کا پیکٹ کھولتے ہوئے اس نے چہکتے ہوئے کہا۔

"اور اگر نہ ہوتا تو؟"

"پھر تو آپ انسان ہی ٹھیک ہیں۔"

اس نے منہ بسورے کہا تو وہ سر جھکا کر ہنس دیا۔

"سوچو اگر واقع ہی میں کوئی جن بھوت ہوتا تو..... کیا تم یوں میرے پاس ہوتی؟"

اس نے گہری سانس خارج کرتے ہوئے پھر سے استفسار کیا۔

"بلکل پھر بھی میں آپ کے پاس آپ کے ساتھ....."

وہ ہاتھوں پر سے نظر اٹھا کر اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

"اگر آپ ویمپائر یا جن..... ہوتے نا علی خان! تو آپ کو معلوم ہونا تھا میں آپ سے کس قدر محبت کرتی ہوں۔ آپ کے سوا کسی کے متعلق سوچتی تک نہیں۔

اور آپ کو دیکھ دیکھ کر ہی تو جیتی ہوں۔

پھر آپ کو مجھ سے محبت ہو جانی تھی۔"

وہ اس کے شانے پہ سر ٹکائے دونوں ہاتھوں کو اس کے بازو کے گرد حائل کرتے ہوئے آنکھیں موندے مدھم آواز میں بولی تو وہ لب بھینچے اس کے سر کو دیکھتا رہ گیا۔

کیونکہ اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

*****

"میں واقع ہی اس کی جوگن ہوں۔

وہ جو چاہتا ہے میں کرتی ہوں۔

وہ چاہتا ہے میں اس سے دور رہوں

میں دور چلی جاتی ہوں

وہ کہہ کہ میں اس کے قریب رہوں تو

میں خاموشی سے کے پاس چلی جاتی ہوں۔

ہاں واقع ہی میں اس سے بے پناہ عشق کرتی ہوں

اس کو دیکھ دیکھ کر جیتی ہوں۔

یہ دو ہفتے میری زندگی کے اہم ترین دن تھے۔

مجھے معلوم نہیں کہ میں نے سموکنگ کیوں سٹارٹ کی۔

اب مجھے اس نشے سے تو نجات مل چکی ہے مگر علی خان کی قربت کا نشہ.....چاہ کر بھی میں اس سے نجات حاصل نہیں کر سکوں گی۔"

خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے وہ بس سوچ رہی تھی۔

گولڈن ساڑھی اور ساتھ ہم رنگ نفیس ڈیزائن کی جیولری پہنے۔

ہلکا سا میک اپ کیے وہ اب بالوں کو جوڑے کی شکل دے رہی تھی۔

کچھ دیر پہلے ہی علی خان نے میسج کیا تھا کہ وہ جلدی سے ریڈی ہو جائے اور وہ واقع ہی پندرہ منٹ میں تیار ہو چکی تھی۔

تبھی اسی وقت دروازے پر دستک دے کر وہ اندر داخل ہوا۔

گردن گھما کر اس نے مسکراتے ہوئے علی کو ایک نظر دیکھا تھا۔

کالا کلف زادہ کرتہ پاجامہ زیب تن کیے کہنیوں تک آستینوں کو فولڈ کیے ہونٹوں پہ نرم سی مسکان لیے وہ اس کے دل کو اپنی جانب کھینچ رہا تھا۔

"چلیں....؟"

ہاتھ اس کے سامنے پھیلاتے ہوئے اس نے استفسار کیا تو رومانے دوسرے ہی پل اپنا ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ میں دے دیا۔

وہ اس کا ہاتھ تھامے باہر کی جانب بڑھا۔

"ایک منٹ.....پہلے آنکھیں بند کرو۔"

سیڑھاں اترتے ہوئے اس نے کہا۔

"میں گر جاؤں گی۔"

"تو ہم کس مرض کی دعا ہیں میڈم۔"

وہ آخری سیڑھی پہ پہنچتے ہی جھکا اور اسے اپنی باہوں میں بھر کے آگے بڑھ گیا۔

وہ شرم سے سرخ پڑتی آنکھیں موند گئی۔

"رومی! اب آنکھیں کھولو۔"

اسے زمین پہ اتارتے ہی علی خان نے کہا تو اس نے نرمی سے لمبی پلکیں اٹھائیں۔

لان کو مکمل طور پر سجایا گیا تھا چاروں اطراف لائٹنگ تھی۔

اور جہاں وہ کھڑی تھی وہاں سے دونوں جانب موم بتیاں رکھ کر راستہ بنایا گیا تھا۔

جو میز اور کرسیوں اور ایک درمیان میں رکھی میز پر جا ختم ہو رہا۔

وہ اس کے ہاتھ پہ پکڑ مضبوط کرتی میز کی جانب بڑھ رہی تھی۔

علی خان نے آگے بڑھ کر اس کے لیے کرسی پیچھے کھینچی۔

میز پہ ڈنر سجا رکھا تھا۔

اور ایک کینڈل اسٹینڈ جس میں موم بتیاں روشن تھیں۔

"پلیز....."

وہ پلٹ کر کچھ فاصلے پہ پڑی چھوٹی میز پہ رکھے لیپ ٹاپ پہ میوزک پلے کر کے اس کی جانب گھوما اور ڈانس کی آفر کی۔

"علی خان! مجھے اپنی عادت مت ڈالو میں یہ عادت بدل نہیں سکوں گی۔"

وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے خوف زدہ سی بولی تو وہ لب بھینچے ہاتھ کھینچ گیا۔

"زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے روما! جو پل ہم ساتھ جی رہے ہیں انہیں تو جی بھر کے جینے دو۔"

وہ دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔

علی خان کو کہاں آتا تھا اپنے لفظوں کو زبان دینا۔

ہاں وہ جانتا تھا مگر صرف نفرت اور غصے کو بیان کرنا۔

"علی خان....!"

وہ ساڑھی کا پلو سنبھالتے ہوئے اٹھی اور اس تک گئی۔

وہ پلٹا اور اس کے بڑھے ہوئے مرمریں ہاتھ کو دیکھ کر بے اختیار مسکرا دیا۔

"علی خان!.....میری کوئی غلطی نہیں تھی میں....."

"شششش.....اس وقت ہم دونوں صرف یہ وقت گزاریں گے جو ہمارے پاس ہے۔"

اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے ٹوکتے ہوئے بولا۔

وہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔

"آج یہ سب کس خوشی میں؟"

اس کے گرد گھومتے ہوئے جب وہ اس کے سینے پہ ہاتھ رکھے دائیں بائیں جھولنے لگی تو نرمی سے بولی۔

"تم نے پیچھلے دو ہفتوں سے.....س سموکنگ نہیں کی جب سے میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

گھمبیر لہجہ روما کو شرمانے پہ مجبور کر گیا۔

"اور آپ نے بھی تو نہیں کی۔"

اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

یکدم ہی دل نے اتنی قربت پہ اپنی رفتار تیز کی تھی وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی۔

علی خان جو اس کی نگاہوں میں جھانکتے ہوئے کسی اور ہی دنیا میں جا پہنچا تھا بری طرح چونکا اور تاسف سے اس کی پشت کو دیکھنے لگا۔

وہ اپنے آنسوؤں پہ ضبط کرنے کی خاطر کرسی کی پشت کو سختی سے تھامے کھڑی تھی۔

وہ قدم قدم اس کی جانب بڑھا تھا۔

اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

"روما....! مجھے معلوم ہے کہ ہمارے درمیان کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے۔اور میں چاہتا ہوں کہ....."

اس سے پہلے کہ وہ کچھ مزید کہتا میز پہ پڑے فون نے شور مچاتے ہوئے اس کی توجہ اپنی جانب کھینچ چکا تھا۔

"ادیبا کالنگ۔"

وہ دونوں ہی فون پہ نام پڑھ چکے تھے۔

روما نے اس کے ہاتھ تلے سے اپنا ہاتھ کھینچتے ہوئے سر جھکا کر لب بھینچ لیے۔

وہ فون کی جانب بڑھ گیا۔

"کیا ہوا تم رو کیوں رہی ہو؟"

وہ سامنے سے ادیبا کو روتا پا کر بری طرح سے غصے میں آیا تھا۔

"کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟"

"علی! پلیز تم ابھی آجاؤ۔پلیز ابھی مطلب ابھی۔"

"ٹھیک ہے میں آرہا ہوں۔"

اس نے کہتے ہوئے فون بند کیا اور پلٹ کر روما کی جانب دیکھا۔

وہ کرسی پہ سر جھکائے ہتھیلیوں کو یوں گھور رہی تھی جیسے یہ ہی ایک ضروری کام ہو۔

"تم اندر جاؤ میں باہر جارہا ہوں۔"

"ادیبا کے پاس؟"

لہجہ عجیب تھا یا پوزیشن وہ بس اثبات میں سر ہلا سکا تھا۔

"دو ہفتے ختم ہوئے اور وہ طلسم بھی ٹوٹ گیا۔"

اس نے کھوکھلی ہنسی کے ساتھ اسے جانے کو کہا اور اس کے جانے سے پہلے خود ہی وہاں سے بھاگتی چلی گئی۔

"میرے دل سے پوچھو روما علی! جس نے تمہیں شہروز کے ساتھ عشق کی پتنگیں اڑاتے دیکھا جس نے تمہیں شان خان کے ساتھ ہو ٹلنگ کرتے دیکھا...."

کینڈل اسٹینڈ کو ہاتھ مار کر میز پہ الٹاتے ہوئے وہ تیز قدم اٹھاتا وہاں سے چلا گیا۔

آج کی حسین رات جو دونوں نے ایک دوسرے کے نام کرنی تھی وہ سولی پہ لٹکی رہ گئی۔

وہ دونوں دو ہفتے سے ایک طلسم کے زیر اثر ایک دوسرے میں کھوئے تھے۔

جیسے ہی وہ طلسم ٹوٹا تو بدگمانیوں کی دیوار پھر سے درمیان میں آ کھڑی ہوئی۔

ادیبا سے بات کرتے ہی اسے پھر سے کچھ یاد آیا تھا۔

مگر ایسا بھی کیا تھا جو ان دونوں کو نزدیک کر کے بھی دور کر گیا؟

***

ناشتے کے درمیان آج کوثر بیگم نے اسے گھیر لیا تھا۔

وہ جو انتظار کر رہا تھا کہ روما کمرے سے باہر نکلے گی مگر وہ نہیں آئی تھی۔

تین دن سے دونوں.....زندگی کے اسی ٹریک پہ پھر سے آ چکے تھے جس پہ پہلے تھے۔

وہ اگر چاہتی تو بھی ان دو ہفتوں کی طرح اس سے بات نہیں کر سکتی تھی۔

کیونکہ علی خان نے خود کو پھر سے ایک خول میں چھپا لیا تھا۔

"تمہاری وہ دوست کیا نام تھا اس کا.....ہاں ادیبا۔"

وہ یاد آتے ہی اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔

علی کا ہاتھ منہ کی جانب نوالہ لے جاتا راستے میں ہی رک گیا۔

"ادیبا کیسی ہے؟ کہاں ہوتی ہے آج کل؟

بہت پیاری بچی ہے۔اور بزنس کے ساتھ ساتھ گھر داری بھی جانتی ہے۔"

وہ کیا کہنا چاہ رہی تھیں علی سمجھ چکا تھا۔

مبہم سا مسکرا کر نوالہ منہ میں دبایا۔

"ٹھیک ٹھاک ہے وہ۔آج میں نے اسے ڈنر پہ مدعو کیا ہے۔

اسے بھی بہت ہی بے چینی ہے آپ سے ملنے کی۔"

ٹیشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے وہ چہکا تھا۔

"اوہ مائی گاڈ سچی؟ واقع ہی بہت پیاری بچی ہے۔ تم دونوں ایک ساتھ بہت ہی پیارے لگتے ہو۔"

آخر خوشی میں چہکتے ہوئے سب کچھ کہہ گئیں۔

علی خان ایک پل کو تو حیران پریشان ہوا مگر دوسرے ہی پل وہ مسکرا کر شرمانے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

اس نے سر اٹھا کر ٹیرس پہ کھڑی روما کو دیکھا جو رود دینے کو تیار کھڑی تھی۔

روما نے تیزی سے رخ پھیر لیا۔

"تم جا کر ریسٹ کرو میں دعوت کا اہتمام کرواتی ہوں۔ یہ بتا دو کہ اسے میٹھے میں کیا پسند ہے اور کون سی ڈش؟"

انہوں نے اسے پیچھے سے پکارا۔

"جو چیز مجھے پسند ہے وہ ہی اسے پسند ہے۔"

الٹے پاؤں چلتے ہوئے وہ ہنستے ہوئے بولا۔

روما کے دل میں چھن سے کچھ ٹوٹا تھا۔

"ٹھیک ہے..... تم ریسٹ کرو۔

روما....! ارے اور می کہاں۔"

ان کا لہجہ پل بھر میں بدلا تھا۔

کڑواہٹ سے بھرا، یوں حکمیہ تھا جیسے کسی نوکرانی کو آرڈر دیا جا رہا ہو۔

اتنی گرج دار آواز پہ ہڑ بڑا کر پلٹی اور سر پہ پاؤں رکھے بھاگ کھڑی ہوئی۔

"ج جی ماما!"

ہانپتی کانپتی وہ ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"کہاں تھی؟ کانوں میں روئی ٹھونس لی ہے کیا؟"

وہ سخت لہجے میں گویا ہوئیں۔

"وہ میں..... خیر چھوڑیں آپ بتائیں.....؟"

وہ کہتے کہتے رک گئی۔

"ادیبا آرہی ہے، یہ لسٹ ہے ڈیشز کی جلدی سے بناؤ۔ نسیمہ کی مدد لے لینا۔"

وہ اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ٹکڑا تھما کر وہاں سے چلی گئیں۔

وہ لب بھینچے ہاتھ میں پکڑی لیسٹ کو دیکھتی رہی پھر سر جھٹک کیچن کی جانب بڑھ گئی۔

"آج بھی علی خان اور ادیبا ملتے ہیں۔ تو اس سے مجھے کیا فرق پڑتا ہے۔ اس کی اپنی زندگی جیسے مرضی گزارے۔"

اس کے دل میں گھٹن کا احساس بڑھتا جا رہا تھا خود کو نارمل کرنے کے لیے گہری سانس خارج کرتی کچن سے نکلی اور سیڑھاں چڑھتی کمرے کی جانب بڑھی۔

سارے لوازمات تیار کرنے کے بعد کافی تھکاوٹ ہوا محسوس کر رہی تھی۔

کمرے کا دروازہ کھول کر وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئی تھامے ہوئے سر کو چھوڑ نگاہیں اٹھا کر سامنے دیکھا تو وہ وہاں ہی شل ہو کر رک گئی۔

آنکھیں بے شمار آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔

علی جواد یبا کا سر شانے سے لگائے اس کا شانا تھپتھپا رہا تھا کرنٹ کھا کر اٹھا۔

دوسرے ہی پل وہ منہ پہ ہاتھ رکھ کر سسکیوں کا گلا گھونٹ کر تیزی سے پلٹی اور دروازہ دھکیل کر آندھی طوفان کی طرح وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

"روما.....! میری بات.....تو سنو۔"

وہ بوکھلا کر رہ گیا تھا جیسے ہی ہوش آیا وہ اس کے پیچھے بھاگا۔

"علی! کیوں اسے آوازیں دے رہے ہو؟

وہ نیچے ہے۔"

کوثر بیگم نے بگڑے تیوروں سے اسے گھورا۔

وہ ان کے شانے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے تیز قدم اٹھاتا سیڑھاں اترنے لگا۔

"بس سحر!"

وہ بے دم سی ہو کر صوفے پہ گرنے کے سے انداز میں بیٹھی تھی۔

"میں مزید برداشت نہیں کر سکتی اس شخص کو۔ایک سال خاموشی سے اس کی ہر ناانصافی کو برداشت کیا ہے۔اور آج وہ کسی اور لڑکی کی باہوں میں تھا۔مجھے لگا ہی تھا کہ علی خان بس.....بس میرا ہو گیا مگر....؟"

علی خان کے قدم دہلیز پر ہی رک گئے تھے۔

"ہاں بس میں نے فیصلہ کر لیا ہے مزید میں اس آگ میں جل نہیں سکتی۔

میں ساری زندگی تنہا رہ لوں گی مگر اس دوغلے شخص کے ساتھ ہر گز نہیں۔

مجھے اس نے سوائے آنسوؤں کے دیا ہی کیا ہے۔"

وہ کھٹاک سے فون بند کر کے سر ہاتھوں میں گرائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"سوچو جب میں نے تمہیں شہروز اور شان کے ہمراہ دیکھا ہو گا تو کیسا درد اٹھا ہو گا میرے دل میں۔

میں نے تم سے دو ہفتوں کا وعدہ کیا تھا اور وہ میں نے کس کشمکش میں مبتلا ہوئے گزارے تم نہیں جانتی۔

مگر مجھے تم سے محبت بھی ہے۔ تم کیوں نہیں سمجھتی؟"

وہ لب بھینچے وہاں سے ہی پلٹ گیا۔

وہ تیزی سے اٹھی تھی اور اپنے کمرے کی جانب بڑھی۔

بھاگ کر سیڑھاں عبور کرتے ہوئے وہ علی خان کے قریب سے گزری تھی۔

مگر اب وہ محبت دل کے درد بھرے کونے میں چھپ کر بیٹھ گئی تھی جو علی خان محسوس کرتا تھا۔

اس کے ہاتھ کی گرفت ریلنگ پہ سخت ہوئی۔

"یہ تم کیا کر رہی ہو روما؟"

وہ جب ادیبا اور کوثر بیگم کو مکمل طور پر اگنور کر کے وارڈروب کی جانب بڑھی تو اس کی والدہ کو غصہ آ گیا۔

مگر وہ بنا کوئی جواب دیئے وارڈروب کو تحس نہس کرتی کچھ تلاش رہی تھی۔

"میں پوچھ رہی ہوں کیا کر رہی ہو؟"

انہوں نے اس کے پاس جا کر اسے بازو سے کھینچ کر پوچھا۔

"آپ کے بیٹے کو اور اس گھر کو چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ پھر اپنی مرضی سے دوسری شادی کر وا دیجئے گا لڑکی ڈھونڈھنے کی ضرورت ہی نہیں۔"

آنکھوں کو پھیلائے وہ وحشت زدہ سی گویا ہوئی۔

انہوں نے پلٹ کر دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے سینے پہ ہاتھ باندھے کھڑے اپنے ہونہار بیٹے کو دیکھا۔

جس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

"مگر....."

"کیا مگر ماما جی؟

اوہ اچھا....."

اس کی نظر جب اپنے ہاتھوں، کانوں میں پہنے سونے پہ گئی تو وہ ہنکارا بھر کے استہزائیہ ہنسی۔

"یہ لیں اپنا سونا۔ مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔"

کانوں سے جھمکے، گلے سے لاکٹ چوڑیاں ہر شے کھینچ کھینچ کر اتارتے ہوئے اس نے ان کی ہتھیلی پر پٹخیں۔

"یہ جو میں نے زیب تن کر رکھا ہے نہ یہ سوٹ میری والدہ نے مجھے میری برتھڈے پہ تحفہ دیا تھا۔

اس کے سوا میں سوائے دکھوں اور آنسوؤں کے کچھ لے کر نہیں جا رہی نہ ہی مجھے نصیب ہوا۔

بس نصیب ہوا تو وہ دو ہفتے اور بس یہ بریسلیٹ۔"

لہو جیسے گرم آنسوؤں سے بھری نگاہیں اٹھا کر اس دشمن جاں کی جانب دیکھتے ہوئے اس کی نگاہ کمرے میں موجود چوتھے افراد پر پڑی تھی۔

وہ سر جھٹک آگے بڑھنے ہی لگی تھی کہ کچھ یاد آنے پہ رکی اور پلٹ کر ان کی جانب دیکھتے ہوئے مسکرائی۔

"مجھ سے آپ کو خاندان کا وارث کبھی نہیں ملے گا۔"

بس اتنا کہہ کر وہ وہاں رکی نہیں تھی نہ ہی کسی نے روکنے کی کوشش کی۔

اس نے جو فیصلہ لیا تھا وہ اتنا درست بھی نہ تھا مگر جہاں محبت نہ ہو وہاں رہنا آسان نہیں ہوتا۔

اس نے پورا ایک سال اس بے عزتی اور ذلت آمیز لہجوں کو برداشت کیا تھا مگر برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔

اور اس کی برداشت کی حد اب ختم ہو چکی تھی۔

"علی خان! تم اسے روک کیوں نہیں رہے؟"

ادیبا نے آگے بڑھ کر اس کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"جانے دو اسے۔ کبھی کبھی پاس رہتے رہتے محبتوں کے رنگ مند پڑ جاتے ہیں۔"

وہ کھوئے کھوئے انداز میں کہتے ہوئے کھوکھلی سی مسکان ہونٹوں پر سجائے آگے بڑھا اور واش روم میں جا کر بند ہو گیا۔

"میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گی آنٹی۔"

وہ کوثر بیگم کے سینے سے لگ کر رو دی۔

"تمہاری کوئی غلطی نہیں بس اسے سکون راس نہیں یہاں کا۔"

انہوں نے نخوت سے سر جھٹکا۔

"چند دن پہلے جب علی خان اس کے ساتھ تھا تو ایمرجنسی مجھے اسے بلانا پڑا کیونکہ آفیس میں، میں اکیلی تھی اور ایک ورکر مجھے گندی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

اس کے بعد آج....."

اس نے بات اُدھوری چھوڑ کر نفی میں سر ہلایا اور وہاں سے بھاگ گئی۔

کوثر بیگم سر تھامے بوجھل سانس خارج کرتی سیڑھیاں اتر گئیں۔

طوفان آیا تھا اور چلا بھی گیا۔

مگر اپنی عادت کے مطابق پیچھے سب کچھ تحس نہس کر گیا تھا۔

وہ جا چکی تھی جس نے اپنی دیوانگی کے سامنے انا کو ہرا دیا تھا۔

مگر آج اس کی محبت کے ساتھ ساتھ بھروسہ بھی چلا گیا تھا۔

وہ جو ہمیشہ خود کو غلط ثابت کرتی کہ نہیں علی خان صرف اس کا ہے آج وہ اعتماد ٹوٹ چکا تھا۔

***

پارکنگ ایریا میں گاڑی روک کر وہ اندرونی حصے کی جانب بھاگا تھا۔

فلو اسٹائل میں کھڑے بال تیز چلنے والی ہوا کے باعث پیشانی پہ بکھرے چلے گئے تھے۔

براؤن کوٹ اڑ کر سینے سے پیچھے ہٹا تو سفید شرٹ دو تین کھلے بٹنوں کی بدولت سینہ نمایاں کر رہی تھی۔

کالے چمکتے جوتوں کی چھاپ کوریڈور میں ابھری تو سب نے ایک مرتبہ پلٹ کر اس کی جانب دیکھا تھا جو ساری دنیا سے بے نیاز بھاگتے ہوئے اپنی عزیز بیوی کے پاس پہنچنے کی جلدی میں تھا۔

"ماما! سحر کیسی ہے اب؟"

آپریشن تھیٹر کے سامنے بریک لگاتے ہوئے اس نے پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ استفسار کیا۔

"ابھی تو آپریشن شروع ہوا ہے۔

اللہ کرم کرے گا۔"

حمیدہ بیگم نے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

اس نے ایک نظر آپریشن تھیٹر کے بند دروازے پہ ڈال کر گہری سانس خارج کی۔

کچھ دیر بعد علی جب وہاں آیا تو اسے حیرانی ہوئی۔

ایک نظر کوریڈور سے باہر برستی بارش اور طوفانی موسم کو دیکھ کر پلٹ کر اسے دیکھا۔

"ڈاکٹر آپ رفیق نامی مریض کو دیکھ لو اور باقی اگر کوئی بھی پرابلم ہو تو ڈاکٹر

سلمان سے ڈسکس کر لیجیے گا۔"

شہروز اپنے جونیئر ڈاکٹر کو ہدایت دے کر پلٹا اور اس کی جانب بڑھا۔

"مجھے لگتا ہے آپ کو اس وقت روما کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ یہاں تو ہم سب ہیں مگر وہ اکیلی ہو گی نا۔"

علی نے اس کی بات پہ گردن گھما کر عجیب نظروں سے دیکھا۔

"اب تو اسے بھول جاؤ۔ کب تک میری بہن کو دھوکہ دیتے رہو گے۔"

تو آخر ایک سال بعد اس نے کہہ ہی دیا۔

شہروز حیرتوں میں گھرا اسے تکتا رہ گیا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو آپ؟"

"ہا.....بکواس..."

وہ نفی میں سر جھٹک استہزائیہ ہنستے ہوئے بڑبڑایا۔

"میں بچہ نہیں ہوں شہروز!

تمہارے اور رومی کے درمیان کیا چلتا رہا ہے میں اس سب سے واقف ہوں۔"

اس نے تو گویا گزرے کل کو عجیب رنگ دے کر حال میں لا کھڑا کیا تھا۔

"مگر تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اس نے تمہیں دھوکہ دیا۔

تم جب اٹلی چلے گئے تھے تو رومی تمہیں بھول کر شان...."

"ایک منٹ.....ایک منٹ۔"

اس کی بات درمیان میں ہی کاٹتے ہوئے شہروز نے اس کی جانب رخ کیا۔

"آپ غلط سوچ رہے ہیں علی بھائی! نہ ہی رومانے مجھے دھوکہ دیا اور نہ ہی اس کا شان کے ساتھ کوئی لنک تھا۔"

وہ سب سمجھ چکا تھا۔

اس ایک سال میں رومی نے اسے مخاطب تک نہ کیا تھا تو وجہ یہ تھی۔

وہ کبھی دل سے ہنسی نہیں تھی تو وجہ یہ تھی۔

سحر اکثر اس سے کہا کرتی تھی کہ رومی بدل گئی ہے۔

تو اس تبدیلی کی وجہ علی خان ہی تو تھا۔

"کیا مطلب؟

میں نے خود اسے شان کے ساتھ ہوٹلنگ کرتے دیکھا تھا تو....."

"مجھے یقین نہیں آرہا علی بھائی! کہ آپ کسی کے متعلق ایسی سوچ بھی رکھ سکتے ہیں۔اور وہ تو پھر آپ کی بیوی ہے۔"

وہ افسردگی سے کہتے ہوئے علی کو خاموش کر گیا۔

"آپ سے وہ محبت کرتی تھی اور مجھے لگتا تھا شاید آپ کے دل میں بھی اس کے لیے کچھ نہ کچھ تو ضرور ہے۔

ہا..... مگر وہ نفرت تھی۔"

وہ پسلیوں پہ ہاتھ ٹکائے نیچلے لب کو دانتوں تلے دبائے باہر برستی بارش کو دیکھ رہا تھا۔

"اس کے اور میرے درمیان صرف دوستی تک کا رشتہ تھا۔

میں سحر سے محبت کرتا تھا اس نے میری محبت حاصل کرنے میں صرف مدد کی۔"

"اور وہ شان اور....."

"وہ آپ شان سے ہی پوچھ لیں۔"

ایک تاسف بھری نگاہ اس پہ ڈال کر وہ وہاں سے چلا گیا۔

علی نے گردن گھما کر فق پڑتے چہرے کے ساتھ شان کی جانب دیکھا جو کب کا وہاں کھڑا تھا معلوم نہیں۔

وہ لب بھینچے اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"وہ مجھے خان بھائی کہتی ہے۔ جس طرح تمہیں سحر بھائی کہتی ہے۔

تم نے کبھی دیکھا ہے اسے کہہ مجھے نام سے پکارا ہو؟"

اس نے اس کے سر پہ زور سے وار کیا تھا اور واقع ہی علی کی یادداشت لوٹنے لگی۔

"اس دن ہم لوگ شہروز کے منہ سے اعتراف کروانے کی پلاننگ کر رہے تھے۔

اور ہم ہوٹل میں صرف اس لیے گئے تھے کیونکہ وہاں ارم میرا انتظار کر رہی تھی۔

بس یہ ہی تھی سچائی۔

جس کی بدولت آپ نے اس کے ساتھ اتنا ظلم کیا کہ اسے مار پیٹ کے وہاں ویرانے میں چھوڑ آئے۔"

"مطلب رومی.. صرف میری ہے....اس کی دیوانگی بھی صرف میری ہے.....یااللہ تیرا شکر ہے اتنا بڑا بوجھ میرے دل سے اتار دیا۔"

وہ بنا اس کی بات کا جواب دیئے کھوئے کھوئے انداز میں اٹھا اور پھر بارش کے پرواہ کیے بنا پارکنگ ایریا کی جانب بھاگا۔

"ارے یہ علی خان کہاں گیا؟"

کوثر بیگم نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑا کر استفسار کیا۔

"آپ کی بہو کے پاس۔"

"کیا مطلب شہروز؟ بہو تو....."

وہ کہتے کہتے رک گئیں اور کچھ سوچ کر مسکرا دیں۔

شہروز نے اطمینان کا سانس خارج کرتے ہوئے دیوار سے ٹیک لگائی۔

رخ پھیر کر بند دروازے کو دیکھا جس کے پیچھے سحر تھی۔

آج وہ تھک چکا تھا ایسی کھوکھلی زندگی گزارتے گزارتے جس میں خاموش محبت دونوں جانب روتڑپ رہی تھی۔

تبھی تو آج اس کی سوئی ہوئی محبت بیدار ہوئی اور اس نے شہروز سے بات کی تاکہ سچ جان کر وہ فیصلہ کر سکے کہ روما کو زندگی میں رکھنا ہے یا نہیں اور جو اس نے سنا وہ یہ سوچنے پہ مجبور کر گیا کہ وہ اب فیصلہ روما کو سونپ دے گا، وہ اگر چاہیے تو اسے زندگی میں رکھے یا نکال دے۔

"اسلام وعلیکم!"

دروازے پر روما کا بڑا بھائی زمان آیا تھا۔

"ارے وعلیکم السلام! کیسے ہیں آپ آئیں اندر آئیں۔"

وہ تیزی سے پیچھے ہٹا۔

مسکراتے ہوئے وہ سر جھکا کر دروازے سے گزرا تھا۔

"سوری جناب! مگر یہ ہمارا دروازہ ابھی تک بھی نہیں بدلا اور دیکھیں آپ نے محلہ کیا.....
سٹیٹس بھی بدل لیا۔"

خوشگوار لہجے میں گفتگو کرتے ہوئے وہ دونوں ڈرائنگ روم میں جا بیٹھے۔

کچھ ہی دیر میں سارے گھر والے جمع ہو گئے تھے مگر اس کی نگاہیں جس کو تلاش رہی تھیں وہ نجانے کہاں تھی۔

"اکیلے ہی آئے ہیں بہنوئی جی؟ ہماری بہن کو بھی لے آتے تقریباً چار پانچ مہینے سے تو محترمہ کی شکل ہی نہیں دیکھی۔"

سب سے چھوٹے والے نے افسردگی سے استفسار کیا۔

علی خان کے ہاتھ چائے کی جانب بڑھے ہی تھی کہ راستے میں ہی ساکت ہو گئے۔

"یہاں نہیں تو پھر وہ کہاں گئی؟"

"کیا ہوا علی بیٹا؟"

"ن نہیں کچھ نہیں۔ وہ اس برستی بارش میں کیسے آتی۔ اور اگر ہم سب ملتان سے آجاتے تو وہاں کون رہتا؟"

اس نے اپنی کیفیت پہ قابو پاتے ہوئے کہا اور کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

"زمان! شادی میں اگر کچھ مدد چاہیے ہو تو بتانا۔ اچھا اب میں چلتا ہوں، مجھے ابھی ملتان کے لیے نکلنا ہے۔

روما..... میرا انتظار کر رہی ہے۔"

وہ کپ رکھ کر اٹھا۔

"علی خان! بیٹا تم نے تو کچھ بھی نہیں کھایا۔"

"آنٹی! اگر میں کھا کر گیا تو آپ کی بیٹی خفا ہو جائے گی۔ وہ کھانا بنا کر میرا انتظار کر رہی ہے۔ میں نے سوچا زمان کو یہ....."

جینز کی جیب سے چیک نکال کر سائن کیا اور اس کی جانب بڑھا دیا۔

"مگر علی خان! یہ میں....."

زمان نے کچھ کہنا چاہا۔

"یہ تمہارے لیے نہیں ہیں بلکہ تمہاری بیوی کے جہیز کے لیے ہے جو کہ تم دو گے اس کے ساتھ کچھ بھی نہیں لائیں گے ہم۔"

کم اون یار ہمارے آفیس کے اتنے ٹیلنٹڈ بندے کی شادی ہے تو تحفہ تو بنتا ہے نا۔"

وہ اس کے شانے پہ تھپکی دے کر مسکراتے ہوئے بولا اور کچھ دیر کی بحث کے بعد وہ ان کو چیک دے کر ہی باہر آیا۔

گاڑی میں بیٹھا ہی تھا کہ شہروز کی کال آئی۔

"آپ ماموں بن گئے ہیں وہ بھی میرے جیسے دوسرے شہروز کے جلدی سے ہسپتال آجائیں روما کو لے کر، نام آپ دونوں نے ہی رکھنا ہے۔"

وہ اپنی کہہ کر کال کاٹ گیا تھا۔

اس کی نگاہوں کے سامنے روما آکھڑی ہوئی تھی۔

ایک دفعہ جب وہ اسے ایک اسکول پارٹی میں لے گیا تھا تو روما ایک پل کے لیے بھی چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑنے پہ تیار نہیں تھی۔

وہ ان کے ساتھ کتنی خوش تھی اور اسی خوشی کے عالم میں جب روما اس کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھی تو بنا سوچے سمجھے اس نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

"علی خان! مجھے بچہ چاہیے۔"

سرعت سے گردن گھما کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

"شرم نام کی چیز واقع ہی تجھ میں نہیں ہے۔ کتنے اطمینان سے کہہ رہی ہے بچہ چاہیے۔"

اس نے تمسخر اڑایا تھا۔

اسے یاد تھا وہ اپنے ہاتھ کا ہوا میں گھوم کر اس کی کومل رخسار پہ جا پڑنا۔

اس نے پھر کن نگاہوں سے دیکھا تھا اسے یہ بھی اسے یاد تھا۔

وہ دو ہفتے جن میں وہ اتنا نزدیک تو ہو ہی چکے تھے کہ لگنے لگا تھا اب الگ نہیں ہو سکیں گے۔

مگر ایسا نہیں تھا..... بدگمانیاں زیادہ طاقتور تھیں۔

رکشے کے ہارن نے اسے ہوش دلائی وہ آنکھیں کھول کے سر سیٹ کی پشت سے اٹھاتے ہوئے گاڑی وہاں سے اڑا لے گیا۔

ایک ہفتہ ہو چکا تھا اسے گھر سے گئے ہوئے۔

خدا ہی جانتا تھا کہ وہ کہاں گئی تھی؟

اس کی ہر دوست کے ہاں جا کر وہ دیکھ آیا تھا خوفیا طور پر بھی معلوم کروایا مگر وہ کہیں نہیں ملی۔

"تم نے بہت برا کیا ہے رومی کے ساتھ ارے میں اسے.....آہ.....ساری غلطی میری ہے تو اس لائق ہی نہیں تھا کہ تجھے روما جیسی لڑکی ملتی۔"

کوثر بیگم کو جب سب معلوم ہوا تو وہ اس پہ برس پڑیں۔

سحر بار بار اس کے متعلق جب پوچھتی تو وہ کوئی نہ کوئی بہانا گھڑ دیتا۔

مگر شہروز کو شک ہو چلا تھا۔

وہ کن نگاہوں سے علی خان کو اسے نہ لانے کے نت نئے بہانے کرتے اور کوثر بیگم کا اسے گھورتے محسوس کر چکا تھا۔

•••••••

آج پورا ایک مہینہ ہو چکا تھا اسے گئے ہوئے اور علی خان نے پورا ملتان، مظفر گڑھ کھنگال ڈالا تھا مگر وہ تو یوں غائب ہو گئی تھی کہ..... جیسے کوئی پری ہو اور اب اپنی دنیا واپس لوٹ گئی ہو۔

کوثر بیگم کو الگ سے خود پہ غصہ آتا رہتا۔

وہ صرف ایک وجہ سے ہی تو روما کو پسند نہیں کرتی تھیں کہ اس نے انہیں وارث نہیں دیا تھا۔

انہوں نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

وہ سویمنگ پول کے کنارے بیٹھا دور آسمان پر چمکتے چاند کو دیکھ رہا تھا۔

ایک ایسی ہی رات وہ دونوں ساتھ بیٹھے تھے۔

وہ اس کے شانے پہ سر ٹکائے ہوئے تھی اور وہ چاہ کر بھی اسے خود سے دور نہیں کیا تھا۔

"علی خان.....!"

وہ چلتی ہوئی آئی تھی اور اس کے قریب بیٹھ گئی تھی۔

"رومی.....! ت تم کہاں چلی گئی تھی؟"

وہ اس کے گرد بازو حائل کرتے ہوئے بولا مگر جیسے ہی آنکھیں کھولیں وہ غائب ہو چکی تھی۔

"علی خان.....! میں آپ کی جوگن ہوں۔"

"علی خان.....!"

"آپ کے بنا جینا ممکن نہیں۔"

اس کی کتنی ہی باتیں ایک ایک کر کے سماعت سے ٹکرا رہی تھیں۔

"روما.....! میں تم سے دور ہوتے ہوتے.....بہت دور ہو گیا۔"

سر تھامے وہ سختی سے نیچلے لب کو دانتوں تلے دبائے دل میں اٹھنے والے درد کو برداشت کر رہا تھا۔

"علی! تم ابھی تک جاگ رہے ہو؟"

وہ کوثر بیگم کی آواز پہ چونکا اور سیدھا ہو بیٹھا۔

"آپ بھی تو نہیں سوئیں ابھی تک۔"

بوجھل سانس خارج کرتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اتنے بڑے گھر میں میرا دل نہیں لگتا۔ تمہارے پاپا بھی نہیں ہوتے اور روما....."

"تم نے ایسا کیوں کیا؟"

وہ اس کے سامنے جا کھڑی ہوئیں۔

ان کا لہجہ تاسف سے بھرا ہوا تھا۔

علی شرمندگی کے مارے سر جھکا گیا۔

"تم جانتے ہو خدا تمہیں اتنا کیوں نواز رہا ہے؟"

ان کے استفسار پر سر مزید جھکا تھا۔

"کیونکہ روما تمہارے لیے دعائیں مانگتی تھی۔

بیٹا! میں نے اگر اس کے ساتھ اتنے مہینے اچھا رویہ اختیار نہیں کیا تو وجہ صرف تم ہو۔ مجھے سمجھانا چاہیے تھا تمہیں مگر میں نے بھی روایتی ساسوں کی طرح اس کے ساتھ برا سلوک کیا۔"

وہ افسردگی سے کہتے ہوئے پلٹ گئیں۔

وہ کتنے ہی پل ساکت کھڑا رہ گیا۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے فون اٹھایا اور کوئی نمبر ڈائل کرتے ہوئے شیشے کی میز کی جانب بڑھا۔

"اسلام و علیکم!

سرفراز چاچا میں کل یہاں سے نکل رہا ہو۔" سگریٹ سلگا کر ہونٹوں میں دباتے ہوئے اس نے کہا اور اگلے بندے کی سنے بغیر ہی کال کاٹ دی۔

"تجھے تلاشا ہر جگہ کہ اب تھک چکا ہوں
سکون کے جیسی ہے توں لاپتہ، لاحاصل....."

ایزی کرسی پر گرتے ہوئے وہ زیر لب بڑبڑایا۔

اگلے ہی دن وہ خیبر پختونخوا کے لیے نکل چکا تھا۔

اسے ملتان کی آب و ہوا میں گھٹن محسوس ہونے لگی تھی۔

وہ ملتان سے ہی نہیں بلکہ پنجاب سے بھی جا رہا تھا۔

ہوائی سفر اور پھر گاڑی کے سفر نے اسے تھکا دیا۔

جب وہ ناران میں داخل ہوا تو شدید سرد ہوا کے جھونکوں نے اس کا استقبال کیا۔

ڈور بیل پہ ہاتھ رکھ کر وہ ہاتھ اٹھانا بھول چکا تھا۔

دوسری جانب جائے نماز پہ ہاتھ دعا میں اٹھا کر بیٹھی رومی نے جلدی سے منہ پہ ہاتھ پھیرا اور گرم شال شانوں کے گرد مضبوطی سے لپیٹتے ہوئے اٹھی۔

"لگتا ہے دعا آئی ہو گی۔"

وہ سوچتے ہوئے دیوار پر لٹکی چھتری لے کر اسے کھولتے ہوئے کمرے سے بھاگتی ہوئی مین گیٹ تک پہنچی۔

بارش اور ہوا اس قدر تیز تھی کہ گیٹ تک پہنچتے پہنچتے دو تین مرتبہ چھتری اڑی تھی۔

دروازہ کھولتے ہی جو شخص اس نے اپنے سامنے دیکھا اس کی سانسیں رک سی گئیں۔

خوف سے رنگ سفید پڑتا گیا۔

وجود کانپنے لگا۔

چھتری اڑتی چلی گئی۔

آنکھیں پھیلائے وہ بت بنی اس کے سامنے کھڑی تھی۔

اسے بھی حیرانی ہوئی تھی مگر چند پل یوں ہی ساکت رہنے کے بعد وہ مبہم سا مسکرا دیا۔

منہ پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے بھگے بالوں کو سنوار کر پیچھے کیا۔

اس نے جلدی سے ایک جانب ہوتے ہوئے علی خان کو اندر آنے کا راستہ دیا، جب وہ اندر داخل ہوا تو اس نے دروازہ بند کیا اور واپس پلٹی۔

"جلدی کمرے میں چلیں میں آپ کے کپڑے نکالتی ہوں۔"

وہ سر جھکائے ہی وہاں سے جانے لگی۔

کوریڈور میں پہنچتے ہی علی نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

ہر بار کی طرح اس مرتبہ بھی اس کا دل بری طرح سے دھڑکا تھا۔

مگر اس نے محسوس کیا تھا کہ علی خاموش کھڑا ہے۔

اس کی پکڑ میں بھی سختی نہیں تھی۔

"رومی! میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے وہ نرمی سے بولا۔

اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"میں خواب دیکھ رہی ہوں۔"

اس نے رفتہ رفتہ ہاتھ علی خان کے چہرے کی جانب بڑھایا۔

شہادت کی انگلی سے جب رومانے اس کی رخسار چھوئی تو اس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پہ رکھ دیا۔

"اس مرتبہ یہ حقیقت ہے، جواب دو ہفتے نہیں بلکہ....جب تک زندگی ہے تب تک رہے گی۔"

وہ گھمبیر لہجے میں سرگوشی کر رہا تھا۔

رومانے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔

اگر یہ حقیقت تھی تو بہت عجیب تھی اور اگر خواب تھا تو بہت بھیانک.....

وہ علی خان کی آنکھوں میں خود کے لیے محبت خوابوں میں ہی دیکھتی تھی اور آنکھ کھلنے پہ جو ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی۔

مگر اس مرتبہ ایسا نہیں ہوا اس نے جب آنکھیں کھولیں تو وہ گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

ہاتھ میں لال سرخ پھولوں کا گلدستہ تھامے سر جھکائے۔

وہ ہقابقا کھڑی رہ گئی۔

"میں نے ہمیشہ تمہارا دل دکھایا۔ تمہیں بہت برا بھلا کہا، ت تم پہ دو مرتبہ ہاتھ بھی اٹھایا۔ مجھے معاف کر سکتی ہو؟"

اس نے سر اٹھا کر اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم غلط نہیں تھی مگر ہم سب انسان ایسے ہی ہوتے ہیں جو بھی دیکھتے ہیں اسی پہ یقین کرتے ہیں۔

خواہ حقیقت کچھ اور ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے تم نے جو دیکھا اسی پہ یقین کر لیا۔"

وہ پھر سے بولا تھا۔

"میں مر چکی ہوں علی خان! تم یہ سرخ پھول اب کیوں میری قبر پہ چڑھا رہے ہو؟"

ہموار لہجہ آخر میں آنسوؤں سے بھر گیا تھا۔

"اگر تم مر چکی ہوتی تو آج بھی تمہارا دل میرے آس پاس ہونے سے یوں تیز تیز نہ دھڑکنے لگتا۔"

وہ انہماک سا اسے دیکھتے ہوئے آج غصے سے نہیں بلکہ محبت سے خاموش کروا رہا تھا۔

"رومی! میں نے بھی تم سے بے پناہ محبت کی ہے۔ مگر....."

وہ لب کچلتے ہوئے اٹھا دائیں ہاتھ کو بالوں میں چلاتے ہوئے پیشانی سے ہٹایا اور دوسرے ہاتھ میں تھما ہوا بکے اس کی جانب پھر سے بڑھایا مگر وہ رخ پھیر گئی۔

"میں مشرقی مرد ہوں رومی!

میں برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی کل کو اٹھ کر یہ کہہ دے..... تمہاری بیوی تو کسی کے ساتھ تھی۔ خواہ تم کتنی بھی اچھی ہو مگر ہمارے معاشرے کی سوچ نہیں بدل سکتی۔"

وہ سر جھکائے کہہ رہا تھا اور سچ بولتے ہوئے بھی اب اسے ندامت سی محسوس ہو رہی تھی۔

"تمہاری سوچ کتنی چھوٹی ہے نہ علی خان! حالانکہ اگر میں تمہارے ساتھ یوں باہر جاتی پھر تم نے کچھ بھی نہیں سوچنا تھا ہاں نہ؟"

"نہیں۔ میں تمہیں شادی سے پہلے کبھی باہر اپنے ساتھ نہ لے کر جاتا۔"

وہ نرمی سے بولا۔

"ہاہاہا..... مگر ادیبا کے ساتھ تو تم کب سے گھومتے پھر رہے ہو۔ مجھے ڈائیلاگ ذرا برابر بھی پسند نہیں ہیں۔ جا کر آرام کرو اور کل تک کا انتظار کرو۔

میں یہاں سے بھی چلی جاؤں گی۔"

وہ سینے پہ ہاتھ لپیٹے بہت سخت لہجے میں بول رہی تھی۔

"تمہیں جو بھی درست لگے تم وہ فیصلہ کر سکتی ہو۔ مگر گزری باتوں کو بھلا کر۔ میں تمہارے جواب کا منتظر رہوں گا۔"

ایک محبت بھری نگاہ اس پہ ڈال کر وہ ٹھنڈی سانس خارج کرتا آگے بڑھ گیا۔

"سرفراز چاچا! یہ پھول تمہارے لیے۔"

کمرے سے نکل کر کوریڈور میں آ کر رکتے نوکر کو پھول دیتے ہوئے اس نے پلٹ کر روما کی جانب ہنستے ہوئے دیکھا تو وہ جھلس کر رہ گئی۔

پیر پٹختی وہ وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

جبکہ وہ اپنی چالاکی پہ ہنس دیا۔

***

"بیگم صاحبہ!.....وہ.....وہ صاحب ہوش نہیں کر رہی۔"

سرفراز کی بیٹی بھاگتی ہوئی اس کے پاس آئی تھی۔

روما کپڑے بدل کر کچن میں کھڑی ناشتہ بنا رہی تھی کہ دعا نے اس کے پاس پہنچتے ہی کانپتے ہوئے کہا۔

پیاز کاٹتی چھری پیاز کی بجائے اس کی انگلی پہ کٹ لگا گئی تھی۔

ایک نظر بہتے خون پہ ڈال کر وہ سر جھٹکتی تیزی سے کمرے کی جانب بڑھی تھی۔

"علی خان.....!"

اس کے دائیں جانب پڑی خالی جگہ پہ گرتے ہوئے اس نے علی خان کا چہرہ ایک ہاتھ سے تھپتھپایا۔

وہ آج بھی اس سے محبت کرتی تھی تو ناراض کیسے رہتی؟

"دعا! ڈاکٹر یوسف کو کال کرو جلدی۔"

وہ اٹھ کر کھڑکیوں کی جانب بڑھی جہاں سے سرد ہوا کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔

پردے درست کر کے وہ علی خان کی جانب بڑھی۔

کمبل کھینچ کر اس پہ ڈالتے ہوئے وہ اس کے سرہانے بیٹھ گئی۔

"بیگم صاحبہ.....! ڈاکٹر صاحب کال نہیں اٹھا رہا۔"

دعا نے گھبرا کر کہا۔

"بہت تیز بخار ہے۔ چاچا! آپ جا کر ڈاکٹر کو لے آئیں جلدی کریں۔"

وہ پریشان سی اس کی پیشانی چھو کر گویا ہوئی۔

"جی جی بیگم صاحبہ! میں ابھی گیا اور آیا۔"

وہ بھاگتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھا۔

"علی خان....! پلیز اٹھیں۔ یہاں آپ مجھے منانے آئے ہیں، پھر یوں کیوں لیٹے ہوئے ہیں؟"

وہ چند پل اس کے پر سکون مگر سرخ پڑتے چہرے کو دیکھتی رہی پھر اس کے سینے پہ سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

کچھ دیر بعد چاچا واپس لوٹا تو وہ مایوس ہو گئی کیونکہ ڈاکٹر وادی میں موجود نہیں تھا۔

"اب میں کیا کروں۔"

اس کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تھے۔

علی خان کے ہونٹ نیلے پڑتے جا رہے تھے اور چہرہ سفید۔

"دعا....! میں کیا کروں؟"

وہ گھبراہٹ سے چیخ اٹھی تھی۔

"حوصلہ رکھیں بیگم صاحبہ! میں.... میں کچھ کرتی ہوں۔

ابا....! آپ انگیٹھی میں آگ جلالائیں۔"

وہ اس ایک مہینے میں روما کی بہترین دوست بن گئی تھی۔

اس نے روما کو وادی کا چپا چپا گھما ڈالا تھا مگر ابھی بھی ایک جگہ باقی تھی۔

وہ جب بھی باہر نکلتی سرسبزے پہ بیٹھتی یا پھر درختوں سے سر ٹکاتی تو جو سوچ جو خیال اس کے دل و دماغ میں ہوتے وہ علی سے جا جڑتے تھے۔

وہ یہاں آکر علی خان کو شدت سے یاد کرنے لگی تھی۔

"بیگم صاحبہ! علی صاحب آپ کے ہسبینڈ ہیں نا؟"

"ج جی مگر....؟"

وہ علی خان پر سے نظریں ہٹائے بغیر بولی۔

"نمونیا بھی ہو سکتا ہے۔ میں بھاری رضائی لا کر دیتی ہوں باقی کا کام آپ کا ہے۔"

وہ جو علی خان کے یخ پڑتے ہاتھ کو اپنے گرم ہاتھ میں تھامے ہوئے تھی دعا کی جانب دیکھنے لگی

وہ تیزی سے سر اثبات میں ہلا کر دوسرے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

"یہ بہت دیر تک بارش میں بھیگتے رہے ہیں۔

اوپر سے ان کا لباس بھی ایسا نہیں تھا جو ان کو سردی سے بچا کر رکھتا۔

مجھے تو سمجھ نہیں آرہی علی خان اس جگہ کی سردی کے متعلق جانتے ہوئے بھی...."

وہ بس سوچ رہی تھی۔

"دعا! ت تم مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں؟ مجھے نہیں معلوم کہ اس علاقے کی سردی کتنی خطرناک ہے۔"

دعا نے رضائی بیڈ پہ رکھی تو تیزی سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

"م میں کیسے بتاؤں؟"

وہ دوپٹہ منہ میں ڈال کر شرماتے ہوئے بولی۔

"پلیز دعا! شرما بعد میں لینا۔ مجھے بتاؤ یار! علی خان کو بہت تیز بخار ہے۔ پلیز میری بہن مجھے نہیں معلوم کہ کیا کروں۔"

اس نے پلٹ کر آنسو صاف کرتے ہوئے چھوٹی شیشے کی بند کھڑکی سے باہر جھانکا پھر سے بارش شروع ہو چکی تھی۔

"وہ.....جی کان کریں۔"

اس نے شرماتے ہوئے اس کے قریب ہوتے ہوئے سرگوشی کی۔

وہ بتاتی جا رہی تھی روما کی آنکھیں پھیلتی جا رہی تھیں۔

"ن نہیں دعا! ک کچھ اور طریقہ بھی تو ہو گا؟"

وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"پ پر آپ بیوی ہیں ان کی، تو گھبرا کیوں رہی ہیں۔ فلحال تو یہ ہی ایک ذریعہ ہے۔ اگر یہاں روئی پڑی ہوتی تو آپ وہ بھی صاحب کی پسلیوں کے گرد باندھ سکتی تھیں۔

وہ دوپٹہ انگلی پہ لپیٹتے ہوئے سر جھکائے بولی۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔"

اس نے پلٹ کر علی خان کے چہرے پر نگاہیں ٹکائے ہوئے کہا۔

"ہیٹر چلا دیتی ہوں پھر تو گرمائش مل جائے گی انہیں۔"

وہ تیزی سے شیشے کی میز سے ہیٹر کا ریموٹ اٹھا کر آن کرنے لگی تو اسی وقت لائٹ چلی گئی۔

اس کا ہاتھ ہوا میں ہی رک گیا۔

منہ کھولے بند لائیٹس کو دیکھنے لگی۔

"بیگم صاحبہ! جرنیٹر خراب ہو چکا ہے آپ کو کینڈل سے کام چلانا پڑے گا۔"

دعا کی آواز پہ وہ بری طرح ڈر کے دو قدم پیچھے ہٹی تھی اور دھڑم سے علی خان کی ٹانگوں پر گری۔

"بیگم صاحبہ! ان کا سر ادھر ہے۔"

شریر لہجے میں کہہ کر وہ وہاں رکی نہیں تھی دروازہ بند کرتی دوڑ گئی۔

"کل جب اسے علم ہو گا کہ میں نے اس کے ساتھ رضائی شیئر اور.....نو نیور۔"

خود کو سختی سے ڈپٹ کر وہ دروازے کی جانب بڑھی۔

مگر پھر اس کے قدم رک گئے۔

"تم اسے یوں ہی مرنے دو گی کیا؟

کچھ بھی ہو جائے وہ شوہر ہے تمہارا۔ شرعی رشتہ ہے۔"

دل نے اسے واپس پلٹنے پہ مجبور کر دیا۔

سائیڈ ٹیبل پہ پڑی کینڈل کی مدھم سی روشنی میں بھی علی خان کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔

"وہ کیا سوچے گا میرے متعلق۔"

اس کا پورا وجود ڈر کی بدولت کانپ رہا تھا۔

مگر فلحال تو وہ صرف اس کی سانسوں کی تپش سے اور اس کے ٹمپریچر سے ہی بچ سکتا تھا۔

سو اس نے عقل مندی سے کام لیتے ہوئے قدم اس کی جانب بڑھائے تھے۔

***

اگلی صبح گیارہ بجے اسے جب ہوش آیا تو چند پل تو وہ خالی خالی نگاہوں سے چھت کو گھورتا رہا۔

دونوں ہاتھوں کو بیڈ پر جما کر اٹھتے ہوئے بیڈ کی پشت سے سر ٹکا گیا۔

آنکھیں موندے سر دباتے ہوئے اس کے ہاتھ رک گئے۔

سامنے شیشے میں اس کا سراپا نمایاں نظر آ رہا تھا۔

سرمئی شرٹ اب تن پہ موجود نہیں تھی۔پیشانی پہ ہونٹوں کا نشان تھا۔

ہاتھ سینے پہ رکھتے ہوئے اس نے اس خوشبو کو اندر اتارا تھا جو اس کے وجود سے اٹھ رہی تھی یہ خوشبو اسی کی تھی۔

وہ مبہم سا مسکرا کر آنکھیں موند گیا۔

تبھی دروازے پر دستک ہوئی اور دعا کمرے میں داخل ہوئی۔

اس نے جلدی سے پیشانی رگڑی اور رضائی سینے تک کھینچ لیا۔

"صبح بخیر صاحب جی! یہ آپ کا ناشتہ ہے بیگم صاحبہ کہہ رہی تھی کر لیں۔"

وہ سر جھکائے کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

بخار کم تو ہو چکا تھا مگر پوری طرح نہیں اترا تھا۔

وہ ناشتہ کر کے اپنی شرٹ پہن کر اپنے گرد شال لپیٹتا باہر نکلا۔

وہ دشمن جاں سامنے ہی ٹی وی ہال میں بیٹھی چینل بدل رہی تھی۔

سینے پہ ہاتھ باندھے وہ ستون سے ٹیک لگا کر روما کے مکمل مگر سوگوار سراپے کو دیکھنے لگا۔

وہ ڈری، سہمی ہوئی تھی۔

اس کے چہرے پہ گھبراہٹ واضح نظر آ رہی تھی۔

وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے آگے بڑھا۔

"رومی!" گھمبیر لہجے میں اسے پکارا تو وہ ڈر کے مارے پھدک کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا ہوا کوئی بھوت دیکھ لیا ہے کیا؟"

ہلکے پھلکے انداز میں کہتے ہوئے وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

"ن نہیں۔"

دائیں رخسار پہ بکھرے سلکی بالوں کو سمیٹ کر کان کے پیچھے کرتی وہ سر جھکا گئی۔

"تو پھر ڈر کیوں رہی ہو بیٹھو۔"

ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے ایک ہاتھ صوفے کے بازو پہ رکھے وہ سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

مگر اندر ہی اندر وہ اس کی اس کیفیت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

وہ اس کے حکم کی تعمیل کرتی سامنے والے صوفے کی جانب بڑھی۔

"وہاں نہیں یہاں۔"

اس نے پھر سے کہا تھا اور آگے کو جھک کر ٹیبل پہ پڑی کتاب اٹھالی۔

وہ انگلیاں پٹختی صوفے کے دوسرے کونے سے جا لگی۔

رات میں جب قربت کے لمحات بڑھے تو اس کو علی کی آغوش میں سکونت کا احساس ہوا تھا۔

ایک طلسم تھا جو ان دونوں کو اپنی لپیٹ میں لے گیا۔

مگر صبح جب وہ اٹھی تو خوف زدہ سی وہاں سے بھاگ نکلی۔

"یا اللہ پتہ نہیں کیا سوچ رہا ہو گا۔"

گردن گھما کر اس پہ ایک نظر ڈالتے ہوئے وہ محض سوچ رہی تھی۔

"کتنی خواہش تھی نا ہمیں،

تیری قربت کے لمحات محسوس کرنے کی مگر جب تم قریب آئی تو ہم ہی ہوش میں نہیں تھے۔"

وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہنا چاہتا تھا مگر ناکام رہا۔

"مجھے آج اس سے اس متعلق بات کر لینی چاہیے کہ وہ اب کب تک مجھے یوں باندھے رکھے گا۔ کیا پتہ یہاں مجھے طلاق ہی دینے آیا ہو؟ ادیبا سے شادی کر لی ہو گی اس نے؟"

"مجھے روما کو بتا دینا چاہیے کہ میں صرف اس سے محبت کرتا ہوں میری زندگی میں اس کے سوا کوئی اور نہیں لے سکتا۔"

ایک جانب وہ منفی سوچوں میں مبتلا تھی تو وہ مثبت۔

"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔"

بیک وقت ایک ساتھ کہتے ہوئے وہ دونوں خاموش ہوئے۔

"پہلے آپ بولیں۔"

اس نے سر جھکائے کہا۔

علی نے گلا کھنکار کر بات کا آغاز کیا۔

"روما علی! میری بات غور سے سننا اوکے۔

تو سنو تم سے میں بہت محبت کرتا ہوں۔

نہیں معلوم کہ کب سے مگر بہت پہلے سے۔"

وہ کہتے ہوئے خاموش ہوا۔

"میں اکثر اس جذبے سے بچنے کی خواہش میں ہی رہا ہوں۔

جب سحر کو شہروز سے محبت ہوئی تو مجھے اندازہ ہوا کہ محبت کتنی بری چیز ہے

میں تمہیں اور شہروز کو اشاروں کناروں میں بات کرتے دیکھ چکا تھا اسی لیے میں نے سحر کو اس سے روکا۔

مگر پھر جب تمہیں اور شان کو ساتھ دیکھا تو مجھے بہت برا لگا، مجھے لگا میں پاگل ہو رہا ہوں۔ دل چاہا کہ یا تمہیں مار دوں یا خود مر جاؤں۔"

وہ کرب سے آنکھیں میچ کر چند پل کے لیے خاموش ہوا۔

روما ہنوز اسے تک رہی تھی۔

"مجھے معلوم ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی تھی اس رات تمہیں مارنے کی کوشش بھی کی تھی مگر میرا یہ ارادہ نہیں تھا..... باخدا روما تم پہ ہاتھ اٹھانا نہیں چاہتا تھا..... مگر شیطان آڑھے ہاتھوں مجھے لے گیا۔ کیا مجھے معاف کرو گی؟"

اب کی بار التجاء بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ نرمی سے استفسار کر رہا تھا۔

"تمہارے سوا میں نے کسی کو کبھی بھی اس نظر سے نہیں دیکھا روما! میری محبت کی ابتدا اور انتہا تم ہی ہو۔"

وہ اس کی جانب سرکا تھا اور اس کے ساکت وجود کو اپنی آغوش میں لیا۔

"ادیبا میری دوست ہے اور میرے آفس میں کام کرتی ہے بس..... اس سے بڑھ کر اور کچھ بھی نہیں..... اور اس رات جب میں تمہیں چھوڑ کر گیا تھا تب وہ مصیبت میں تھی بس ایک عورت کی عزت بچانے کی خاطر گیا تھا..... اور اس دن وہ اس لیے رو رہی تھی کیونکہ اس کی والدہ بیمار تھی۔

اور جب میں سحر کی مہندی والے دن تمہیں لے کر گیا تھا وہ تو بس تمہیں یہ دکھانے کا پلان تھا کہ میں تم سے محبت نہیں کرتا مگر ہوا الٹ گیا۔"

افسوس اور درد لہجے سے جھلکا تھا وہ ہنوز آنکھیں موندے آنسو بہاتی اسے سن رہی تھی۔

"اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔ میں مزید گنجائش نہیں رکھتا تم سے دور رہنے کی۔ میں اب جھک جانا چاہتا ہوں۔"

وہ اسے شانوں سے تھام کر اپنے سامنے کرتے ہوئے بولا۔

"کیا تم مجھے معاف کرو گی؟"

اس نے استفسار کیا مگر وہ خاموش تھی۔

اس کی خاموشی طویل ہوئی تو وہ افسردگی سے سر جھکائے اٹھا اور شال کو شانوں کے گرد درست کرتا جھک کر کتاب اٹھا کر تھکے تھکے قدموں سے آگے بڑھ گیا۔

"وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے رومی!

اس کی آنکھوں سے تمہارے لیے ہمیشہ ہی محبت جھلکتی رہتی ہے۔

اس کی غلطی نہیں ہے اگر کوئی اور بھی مجھے شان کے ساتھ دیکھتا تو یہ ہی سوچتا۔

وہ مرد ہے، مرد اپنی عزت کے لیے کوئی رسک نہیں لیتے۔

میں ہی غلط تھی مجھے یوں شہروز کا ساتھ بھی نہیں دینا چاہیے تھا نہ ہی شان کے ساتھ ہوٹل جانا چاہیے تھا۔

آخر ہوں تو عورت۔ دیکھنے والوں کی نظریں غلط ہی دیکھتی ہیں۔ اس میں علی خان کی غلطی نہیں ہے۔"

اس کا ضمیر بول رہا تھا۔

بے اختیار ہی وہ علی خان کی جانب بھاگی تھی۔

اپنے پیچھے قدموں کی چھاپ سن کر وہ پلٹا تو رومی بھاگتی ہوئی اس کے سینے سے جا لگی۔

اس کے ہاتھ سے کتاب گر گئی تھی

دوسرے ہی پل اس نے رومی کو اپنی مضبوط اور محفوظ آغوش میں لے لیا۔

"مجھے آپ کو سب پہلے ہی بتانا چاہیے تھا۔ مگر مجھے لگا شاید آپ سحر اور شہروز کو ایک نہ ہونے دیں۔

اسی ڈر سے کچھ بھی شیئر نہیں کر سکی۔"

وہ اسکے سینے پہ ہاتھ رکھے پیچھے ہٹی۔

"جھوٹ مت بولو اب۔ سحر کی مہندی سے پہلے تم مجھے دیکھتی ہی کب تھی۔"

وہ خفگی سے بولا۔

"جی نہیں میں تو آپ کو ہی دیکھتی تھی۔ مگر جب آپ نہیں دیکھتے تھے تب۔"

وہ جھک کر کتاب اٹھاتے ہوئے مسکرائی۔

"اچھا۔ ویسے اس دن تم نے گن پوائنٹ پہ اپنی محبت کا اظہار کیا تھا۔ افففف دل میں ہلچل مچ گئی تھی۔"

وہ دل پہ ہاتھ رکھتے ہوئے آنکھیں موندے بولا۔

"آئندہ سے تم جس سے چاہو بات کر سکتی ہو۔ اکیلی باہر جا سکتی ہو۔ اور شان شہروز سے بھی بات کر سکتی ہو۔"

وہ کوریڈور کے ستون سے ٹیک لگا کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بولا۔

"آپ کے بغیر میں باہر نہیں جاؤں گی۔ کیونکہ آپ میرا حجاب ہیں، میرا پردہ۔

آپ کی وجہ سے میں محفوظ ہوں۔نہ چاہتے ہوئے بھی مجھ سے غلطیاں ہوئی ہیں۔ مگر اب میں نہیں چاہتی کہ آپ کو کوئی اٹھ کر کہہ کہ تمہاری بیوی وہاں اکیلی کھڑی تھی۔

کوئی چھڑ رہا تھا۔مجھے آپ کی اور اپنی عزت عزیز ہے۔اسی لیے میں اکیلی نہیں جاؤں گی کہیں بھی..اللہ نے شوہر کو اپنی بیوی کی حفاظت کے لیے بنایا ہے،آپ میرے محافظ ہیں۔"

وہ اس کے شانے پہ سر ٹکا گئی۔

"پھر یہاں کیوں آگئی تھی؟"

اس کی خفگی بڑھی۔

"کیونکہ میں نے سنا تھا آپ ادیبا سے شادی کرنے والے ہیں۔ مگر ایم سوری۔"

وہ شرمندگی سے بولی۔

"میں صرف ایک بیوی ہی سنبھال سکتا ہوں۔"

وہ مبہم سا مسکرا دیا۔

اتنے میں اس کے فون پہ کال آنے لگی۔

"ارے تم کہاں ہو بیٹا؟ بنا بتائے چلے گئے۔"

کوثر بیگم پوچھ رہی تھیں۔

"آپ کی بہو کے ساتھ ہوں ماما! جہاں میں اسے لے جانا چاہتا تھا وادی ناران.....

ایک دو دن تک واپس آجائیں گے۔"

ایک بازو کورو ما کے شانے کے گرد پھیلاتے ہوئے وہ ہال سے نکل کر لون کی جانب بڑھا تو رو ما نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

"ٹھیک ہے ماما! بعد میں بات کرتے ہیں۔"

وہ کال کاٹ کر سنگی بینچ پہ بیٹھ گیا تھا۔

"تمہیں معلوم ہے یہ گھر میں نے اسپیشل تمہارے لیے بنوایا ہے کیونکہ تمہیں ٹھنڈا موسم بہت پسند ہے۔اور تم یہاں ہی ہنی مون پر آنا چاہتی تھی نا؟"

سامنے لگی پھولوں کی قطاروں کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"اتنا ٹھنڈا بھی نہیں۔اور آپ میری باتیں چھپ چھپ کر سنتے تھے؟"

وہ سینے پہ ہاتھ لپیٹے منہ بسورے اسے دیکھتے ہوئے بولی تو وہ دل سے ہنس دیا۔

پھر اپنی چادر کو اس کے گرد پھیلاتے ہوئے خود بھی اس کے قریب ہو گیا۔

وہ شرم سے لال ہوتی سر جھکا کر مسکرا دی۔

"نہیں یہ تو تم نے اس رات بتایا تھا جب ہم وہ تمہاری پسندیدہ مووی twilight دیکھ رہے تھے...."

وہ آسمان پر پڑی دھنک کی جانب اسے متوجہ کرتے ہوئے بولا۔

"میں پیچھلے ایک مہینے سے اس پوری وادی کا چپا چپا دیکھ چکی ہوں بس ایک جگہ رہتی ہے....."

اس نے اپنا ہاتھ علی خان کے ہاتھ میں دیتے ہوئے مبہم سا مسکرا کر کہا۔

"اور وہ کون سی؟"

"جھیل سیف الملوک...."

"اے لڑکی تم پاگل تو نہیں ہو گئی موسم برسات ہے اس موسم میں یہاں نقل و حمل مشکل ہے اور تم اتنا اوپر جانا چاہتی ہو....."

اس نے آنکھیں پھاڑے روما کو گھورا۔

"علی جی...! صرف پانچ سو فٹ کی بلندی پہ ہی تو جانا ہے۔ اور آپ کو معلوم ہے سیف الملوک سے کچھ ہی کلو میٹر کے فاصلے پر پہاڑوں کے درمیان میں حسین آنسو جھیل بھی واقع ہے۔ پلیز علی خان! مجھے دیکھنی ہے سیف الملوک۔"

"ٹھیک ہے پہلے موسم ٹھیک ہو جائے پھر چلیں گے۔"

وہ نرمی سے بولا۔

"کتنے ڈرپوک ہیں نا آپ....."

وہ منہ پھلائے بولی۔

"لے چلو گا یار ناراض تو نہیں ہوں۔"

وہ اس کی رخسار پہ ہاتھ رکھتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں بولا تو روما سر اثبات میں ہلانے پر مجبور ہو گئی۔

"اچھا یہ بتاؤ تم یہاں کیسے آئی؟"

اس کے استفسار پر روما کا چہرہ اتر گیا۔

"میں بتاتی ہوں بشرطیکہ کہ آپ کوئی غلط مطلب نہیں نکالیں گے۔"

وہ سر جھکائے مدھم آواز میں بولی تو علی نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

"بلکل بھی نہیں نکالوں گا....."

اس نے روما کا ہاتھ دباتے ہوئے یقین دلایا۔

"وہ..... جس دن میں گھر سے گئی تھی تو..... بس اسٹاپ پر مجھے شہروز ملا تھا۔"

وہ لب کچلتے ہوئے چند پل کو خاموش ہوئی۔

"اسے میں نے بتایا کہ میں تمہیں چھوڑ کر جا رہی ہوں مگر اس نے کہا تمہیں چھوڑ کر میں مظفر گڑھ نہ جاؤں۔ مجھے اس نے ہی یہاں پر پہنچایا تھا۔"

"مگر اس نے ایسا کیوں کیا؟"

علی نے استفسار کیا۔

"کیونکہ میں پنجاب سے دور جانا چاہتی تھی۔

اور مجھ سے یہ سن کر اس نے بتایا کہ آپ کا ایک بنگلہ یہاں ہے.... تو میں نے پھر سوچ لیا کہ آپ سے دور جاؤں گی مگر....."

وہ پھر سے رونے لگی تھی۔

"مگر اس جگہ جہاں میری خوشبو بھی تم تک نہ پہنچے پر دیکھو میں تو خود تمہارے پیچھے پیچھے آ گیا۔"

وہ ہنستے ہوئے اس کا سر تھپتھپا رہا تھا۔

"مجھے آپ کی اب سمجھ آنے لگی ہے۔"

وہ آنسو رگڑ کر سیدھی ہو بیٹھی۔

علی خان نے استفسار بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔۔

"اُن دو ہفتوں میں آپ نے جو اپنا روپ دکھایا تھا نا..... وہ یقیناً انسان کا نہیں تھا.... ہاہاہا۔"

وہ جو منظر تھا کہ بہت سنجیدہ سی شکل بنائے روما کچھ اور ہی کہنے والی ہے مگر اس کی بات پہ منہ بسور کر رہ گیا۔

"ہنس لو ہنس لو.... مگر تم یہ نہیں جانتی میں واقع ہی انسان نہیں ہوں....."

وہ آنکھیں پھیلائے سرگوشی کے انداز میں بھاری آواز نکالا رہا تھا۔

"تو پھر کیا ہیں؟"

وہ سرک کر اس کے قریب ہوتے ہوئے مسکرائی۔

"میں ویمپائر ہوں..... تمہارا خون پی جاؤں گا۔"

اس کی گردن پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ منہ اس کے نزدیک لے گیا۔

"بولو پی جاؤں تمہارا خون.....؟"

"ویسے اگر میں کہوں کہ خوں جو سنے کی کوئی کسر نہیں چھوڑی تو غلط نہیں ہو گا مگر اب میں ایسا نہیں کہوں گی۔"

وہ کہہ چکی تھی مگر کہنا نہیں چاہتی تھی تبھی تیزی سے بات بدلی۔

"پہلا ویمپائر دیکھا ہے جو پوچھ رہا ہے۔"

وہ اپنی ہنسی پہ قابو پاتے ہوئے مدھم آواز میں بولی۔

اس کی اتنی قربت پہ وہ گھبرا بھی رہی تھی اور اوپر سے علی خان کا گھمبیر سرگوشی بھرا لہجہ.....

"مجھے عادت ہے، حسین لڑکیوں سے ان کی اجازت مانگتا ہوں۔"

"بس کرو علی خان....! اب واقع ہی مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ ویمپائر جیسا کچھ بھی نہیں ہوتا۔"

اس کی سانسیں بوجھل ہوتے محسوس کر رومانے آنکھیں موندے کہا۔

وہ قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے پیچھے ہٹا۔

بالوں میں ہاتھ پھیر کر وہ ادھر ادھر نگاہیں دوڑا کر اپنا دھیان بٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تو ہمارے بچے کے متعلق کیا خیال ہیں پھر۔"

وہ اسے اس کی گزری بات یاد دلا رہا تھا۔

رومانے شرمائے گھبرائے انداز میں اس کے شانے پہ تھپکی رسید کی اور پھر سر اسکے بازو سے ٹکا کر آنکھیں موند گئی۔

وہ ہنس کر آنکھیں موند گیا کہ اب واقع ہی سکون نے اس کے دل کو لپیٹ میں لیا تھا۔

آس پاس کھلتے پھولوں نے ان کے ملن کے گیت گائے تھے۔

***

ختم شد

نوٹ

تیری جوگن پڑھنے کے بعد اپنی رائے سے ضرور آگاہ کریں۔ نظرِ ثانی کرتے ہوئے اس بات کو یقینی بنایا گیا ہے کہ کسی قسم کی غلطی نہ ہو اگر پھر بھی کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اس کی نشاندہی ضرور کریں تاکہ ہم اس کو بہتر کر سکیں۔

تعاون کا طلبگار

ادارہ (نیو ایرا میگزین)

New Era Magazine